



جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان  
ماہنامہ

# محدث عصر



بانی  
فخر المبین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر  
سید احمد خضر شاہ مسعودی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بیادگار: محدث عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، ادبی ترجمان  
ماہنامہ

# محدث عصر

مارچ / اپریل ۲۰۱۸ء، جلد نمبر ۱۹، شمارہ نمبر ۸، سلسلہ نمبر ۱۸۳

کتابی: فخر المیشین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ  
مدیر: سید خضر شاہ مسعودی

## نگران ترسیل

مولانا ابو طلحہ اعظمی  
09997504588

## مجلس ادارت

مولانا عبدالرشید بستوی مولانا فضیل احمد ناصری  
08881347125 09634506041

## اشتراک و تعاون

اندرون ملک:  
فی شمارہ: 15/- سالانہ: 150/-  
خصوصی: 1000/-  
تاجیات: 10000/-  
بیرون ملک:  
سالانہ: 20 امریکی ڈالر  
خصوصی: 100 امریکی ڈالر  
تاجیات: 500 امریکی ڈالر

## شائع کردہ

جامعہ اسلامیہ محمد انور شاہ دیوبند

عقب عید گاہ، دیوبند 247554 (یو پی)

فون آفس: 01336-220471 فون وٹکس (مدیر) 01336-222471-223371  
موبائل (مدیر): 08006075484  
ای۔ میل: ahmadanzarshah@gmail.com

مقالہ نگاری کے رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت دیوبند کو ہی ہوگا۔

Composed by: Umar Ilahi, Deoband # 9358013409

# ورق در ورق

## صریر خامہ

عصریات

۳

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

## قند مکرر

ذَلِّكَ الْكِتَاب

۷

فخر المحدثین حضرت مولانا محمد انظر شاہ صاحبؒ

## مقالات و مضامین

۱۶

علامہ سید سلیمان ندویؒ

ہندوستان میں اسلام کی اشاعت...

۲۱

ڈاکٹر محمود احمد غازی

علم حدیث کے لئے اکابر اسلام کے اسفار

۲۸

مولانا شفیق الرحمن در خواستی

فضائل شبِ براءت

۳۷

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

حضرت مولانا مفتی ظفر الدین صاحب

۴۹

حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی صاحب

## تعلیمی رپورٹ

## آغاز سفر

۵۳

مترجم: محمد قربان، معلم جامعہ ہذا

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

۵۱

مولانا محمد ابو طلحہ اعظمی

## جامعہ کی سرگرمیاں

۶۳

مولانا فضیل احمد ناصری

## نقد و نظر



بسم اللہ الرحمن الرحیم

## عصریات

### سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

فسادات، فسادات اور فسادات۔ جی ہاں! یہی اپنے وطن کی علامت بن چکے ہیں۔ ایک قضیہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا سراٹھادیتا ہے۔ آنکھیں یہ مناظر دیکھنے کی عادی، سماعتیں تھاق سننے کی خوگر اور طبیعتیں ان کے تسلسل سے گھبرا چکی ہیں۔ ملک عزیز کا ایک طبقہ ایسا درندہ فطرت اور سنگ دل ہو چکا ہے کہ شدت پسندی کے بغیر جینا نہیں چاہتا۔ ملک کے سنجیدہ شہری ان بدترین واقعات پر بندش کی کوشش کرتے ہیں، سارے جتن کر ڈالتے ہیں، آس لگاتے ہیں، انہیں لگتا ہے کہ شاید یہ روح فرسا مناظر کا اختتام ہو، مگر اگلے ہی لمحے ایسی خبریں سماعت سے ٹکرا جاتی ہیں کہ ناطقہ سرگرمیاں ہو جاتا ہے۔ بہیمیت کا یہ عالم کہ فسادات کے ساتھ ہی آفتاب طلوع ہوتا ہے اور سانحات کے ساتھ ہی غائب از نظر۔ ہر صبح شورِ محشر کے کاندھوں پر سوار اور ہر شام خوں آشامیوں کی دردناک تصویر۔

فسادات کی کثرت کا اندازہ لگانا ہو تو حکومت کی طرف سے یہ اعداد و شمار پڑھ لیجئے، چودہ طبق روشن ہو جائیں گے، روح کانپ جائے گی۔ زیادہ دور کیوں جاییں، صرف ۲۰۱۷ء میں ہی ۸۲۲ واقعات پیش آئے، جن میں ایک سو گیارہ افراد کو قلمہ اجل بننا پڑا۔ زخمیوں کی تعداد ہمیشہ کی طرح فزوں تر۔ سدا کی طرح ترقی یافتہ۔ دو ہزار تین سو چوراسی لوگ زخموں سے چور ہوئے۔ یوپی کو ہندوستان کی سیاست کا سب سے بڑا زینہ سمجھا جاتا ہے۔ ملک کی بڑی درسگاہیں یہیں ہیں، بڑے سیاست دان یہیں ہیں، لیکن طوائف الملوکی اور انار کی دیکھنے تو سینے پر سانپ لوٹ جائے گا۔ پورے ملک میں یہ ریاست اول نمبر پر رہی۔ ۱۹۴ فرقہ وارانہ فسادات میں ۴۴ لوگوں کو اپنی جانوں کا زیاں کرنا پڑا۔ راجستھان جیسی پر امن ریاست بھی اس فہرست میں دوسرے نمبر پر ہے۔ یہاں تشدد کے ۹۱ واقعات پیش آئے، جن میں ۱۲ افراد نے موت کی چادر اوڑھی، جب کہ ۵۷ زخموں سے دو چار ہوئے۔ یہ وہی صوبہ ہے جہاں پہلو خان کو درندہ صفت لوگوں نے گاؤ کشی کے الزام میں ابدی نیند سلا دیا۔ افراد الحق کا قتل ناحق بھی سامنے آیا۔ جس کے اخلاق سوز جرائم اور حیا باختم کارستانیوں سے پورا وطن لرز گیا تھا۔ مغربی بنگال جو بالعموم امن و آشتی کی علامت مانا جاتا ہے، یہاں تشدد کے ۵۸ واقعات میں ۹ افراد نے موت کو گلے لگایا، جب

کہ ۲۳۰ کروڑ خیموں کی ٹیس جھیلنی پڑی۔ یہ اعداد و شمار سال ۲۰۱۷ء کے ہیں۔ سال رواں کا یہ چوتھا مہینہ ہے اور فسادات کا عالم دیکھنے تو ہر طرف کشت و خون کی خبریں ہیں۔ کاس گنج کے لرزہ خیز مناظر آپ نے دیکھے ہی ہیں۔ جنہوں نے جانیں گنوائیں، ان کی تعداد قلیل سہی، مگر خانماں بربادوں کی جو بھیڑ رہی، اس سے سارے انسانیت نواز ہنوز سکتے میں ہیں۔ ادھر چند دنوں سے بنگال اور بہار بھی آہوں اور آنسوؤں کی زد میں ہیں۔ رام نومی کے نام پر نکالے گئے جلوس نے توڑ پھوڑ اور قتل و غارت کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے ہر شہری کو بے چین کر دیا ہے۔ یہ آگ بہار و بنگال سے گزر کر ایک بار پھر راجستھان پہنچی۔ ادھر دلتوں کی بھارت بند تحریک میں ۱۲ افراد مزید موت کے منہ میں گئے۔ افسوس اس کا ہے کہ ملک تباہیوں کے دہانوں پر ہے اور حکمران ان پر قدغن کے بجائے انہیں مزید ہوا دے رہے ہیں۔ مرکزی وزیر مملکت اشونی کمار چوبے کا بیٹا تو باقاعدہ بھاگیور تشدد میں ملوث رہا، جواب پولیس تحویل میں ہے۔ لاء اینڈ آرڈر کی بدترین ناکامیوں کے طفیل یہ فیصلہ مشکل ہے کہ یہ اقتدار کی ناکامی ہے یا یہ بھی طرز حکومت ہے؟



لیجے ایک اور اندوہ ناک خبر۔ طلاق ثلاثہ کی گونجوں کے درمیان اب حلالہ اور تعدد از دواج جیسے مسائل نے امت کو گھیر لیا ہے۔ معلوم ہے کہ طلاق ثلاثہ کے خلاف حکومت نے ایک قانون مرتب کیا تھا، جسے ۲۸ دسمبر ۲۰۱۷ء کو لوک سبھا میں منظور کر لیا گیا۔ راجیہ سبھا میں بھی اسے پیش کیا گیا، مگر اس ایوان میں گدی نشینوں کو منہ کی کھانی پڑی۔ امکان اور پورا خطرہ ہے کہ عنقریب ہی کسی نہ کسی طرح اسے یہاں سے بھی منظور مل ہی جائے گی۔ اس قانون کے خلاف پورا مسلم طبقہ سراپا احتجاج بنا رہا اور آج بھی ان کے مظاہرے پیہم جاری ہیں، لیکن حکمرانوں کی بدنیتی کے سبب ساری جدوجہد صدا بہ صحرا ثابت ہو رہی ہے۔ اب تازہ صورت حال یہ ہے کہ متعدد درخواست گزاروں نے حلالہ اور تعدد از دواج کے خلاف بھی محاذ کھول دیا ہے۔ درخواست کنندگان میں بیش تر عربی فارسی نام کے ہیں۔ عدالت عظمیٰ نے ان درخواستوں کو سماعت کے لئے منظور کر کے انہیں پانچ رکنی کمیٹی کے حوالے کر دیا ہے۔ عجیب و غریب یہ کہ ان درخواستوں میں نکاح کی ایک قسم ”حلالہ“ کو بھی قرار دیا گیا ہے جب کہ ”نکاح حلالہ“ کا شریعت میں کہیں کوئی وجود نہیں۔ تعدد از دواج کی شریعت میں گنجائش ہے مگر ہندوستان میں اس اجازت پر عمل کرنے والے شاید ہی ہوں گے۔ حلالہ کا عمل کوئی درست عمل نہیں ہے بلکہ اسلام نے اس پر لعنت برسائی ہے۔ یہ اور اس طرح کے مسائل جن احکام پر بھی مشتمل ہوں بہر حال ان کا تعلق اسلام سے ہے۔ ان میں کسی کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں مگر افسوس ہے کہ آہستہ آہستہ اسلامی تعلیمات کو نشانہ بنانے کے بعد اب باقاعدہ مداخلت بھی شروع ہو چکی ہے۔

ان واقعات کا سب سے شرمناک پہلو یہ ہے کہ ان کے پیچھے نام نہاد مسلمانوں کے نام زیادہ ہیں۔ گھریلو ناہمواری اور خانگی جھگڑے دارالقضاؤں میں جانے کے بجائے ملکی عدالتوں میں لے جائے جا رہے ہیں، ظاہر

ہے کہ بھول کے درخت سے گلاب اگنے سے تو رہے۔

اس وقت مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ از روئے عمل وہ تارکِ اسلام ہو چکے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بے نگار بنا کر پردے کی باتیں باہر لاتے ہیں اور پوری ملت کے لئے رسوائی کا سامان بن رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اسلام کو اپنے ذاتی مفادات پر ترجیح دینا ہر مسلمان کا اولین فرض ہے۔ اگر یہی صورت حال رہی تو کل طلاقِ ثلاثہ خطرناک جرم ٹھہری تھی، کل کو تعدد از دواج اور حلالہ کے بہانے ملتِ بیضا کے دوسرے قوانین پر بھی پابندی لگا دی جائے گی۔

عصرِ رواں میں ہر عالم اور اسلامی اسکالروں کی ذمہ داری ہے کہ عوام کو بیدار کریں، ائمہ اپنی ہفتہ وار تقریروں میں، واعظین اپنے مواعظ میں اور خطباء اپنے خطبات میں بنیادی موضوعات پر اہل ایمان کو جگائیں، عصری تعلیم یافتگان علمائے دین سے وابستگی اختیار کر کے اپنے ایمان کا محاسبہ کریں، ورنہ حالات مزید ابتر ہوں گے اور مصائب کی وادی تیرہ مارا نصیبہ ٹھہرے گی۔ عیاذُ اللہ۔



ملک میں آئے دن انتخابات ہوتے رہتے ہیں۔ ایک کے بعد ایک۔ ابھی چند ہفتہ قبل ہی تری پورہ، میگھالیہ میں اسمبلی انتخابات ہوئے تھے۔ پھر ضمنی انتخابات ہوئے، ان کے بعد راجیہ سبھا اور اب کرناٹک اسمبلی انتخابات۔ ان انتخابات کی خاص بات یہ ہے کہ ضمنی کو چھوڑ کر سارے انتخابات میں حکمران محاذ کا میاب رہا۔ کرناٹک میں جلد ہی عوام اپنے حق رائے دہی کا استعمال کریں گے۔ سر دست وہاں کانگریس کی حکومت ہے۔ تمام سیاسی جماعتیں اپنی صف بندی میں مصروف۔ زبانی نوک جھونک کا بازار بھی گرم ہے۔ بھاجپا اپنے مشن کے حصول میں سرگرداں، زعفرانی پارٹی کے صدر اپنی فتح کے لئے مستقل ریلیاں کر رہے ہیں۔ کانگریس نے گجرات کا رویہ جاری رکھتے ہوئے یہاں بھی مندروں کے چکر لگانے شروع کر دیئے۔ مقامی اخبار ”دکن کرانیکل“ میں شائع رپورٹ کے مطابق کانگریس کو ۱۰۰ سیٹیں ملنے کی امید ہے۔ وزیر اعلیٰ سدھامیانے لنگایت کمیونٹی کو الگ مذہب کا درجہ دیئے جانے کی سفارش منظور کر لی ہے۔ لنگایت فرقہ ہندو دھرم کا قائل نہیں۔ کرناٹک کی ۱۰۰ سیٹوں پر اس کا اثر و رسوخ ہے۔ اس کا جھکاؤ ہمیشہ بھاجپا کی طرف رہا لیکن حکومت کے اس اقدام کے بعد تجزیہ نگاروں کی ماننے تو یہ نشستیں اب کانگریس کے پالے میں جانے والی ہیں۔

کئی برسوں سے دیکھا یہی گیا ہے کہ کیسری جماعت چھوٹے انتخابات ہار جاتی ہے اور بڑے انتخابات میں ہر جگہ اسی کا جلوہ۔ ۲۰۱۴ء سے لے کر اب تک کی یہی کہانی ہے۔ حال ہی میں گجرات کا ضمنی الیکشن بی جے پی ہار گئی لیکن اسمبلی الیکشن بالآخر اسی کے نام رہا۔ راجستھان کا ضمنی الیکشن دوسری پارٹیاں لے گئیں اور میگھالیہ وغیرہ کے انتخابات اس کے

دامن میں چلے گئے۔ ابھی چند دنوں قبل یوپی اور بہار میں ضمنی انتخابات ہوئے جن میں خود وزیر اعلیٰ کی اپنی نشست بھی محفوظ نہ رہ سکی۔ کرناٹک اسمبلی سے پہلے فضا بظاہر بھگوا پارٹی کے خلاف ہے۔ یہ آپسی اختلاف کی خبریں بھی ہیں، تاہم اندازہ یہی ہے کہ ماضی قریب کے تمام بڑے انتخابات کی طرح یہ بھی اس کے حق میں چلے جائیں گے۔



عالم اسلام کی طرف نظر دوڑائیے تو بھیا نک نظاروں کی بہتات ہے۔ شام، یمن، فلسطین، عراق، سعودی عرب، قطر اور ترکی ایک لامتناہی جنگ میں مصروف ہیں۔ تیسری جنگ عظیم کی آہٹ صاف سنی جاسکتی ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کا اختتام کب ہوگا۔ شام کے علاقے ”الغوطہ“ میں خواتین اور بچوں کا قتل عام ابھی حال ہی کی بات ہے۔ سعودی عرب سے بھی اچھی خبروں کا آنا بند ہے۔ محمد بن سلمان ولی عہد سعودیہ نے روایت سابقہ کو توڑتے ہوئے ہر طرح کی کھلی چھوٹ دیدی ہے۔ بے حیائی، فحاشی، عریانی کو سند فضیلت دی جانے لگی۔ اسلام کی گناہ شکن تعلیمات کو اس نے شدت پسندی سے تعبیر کیا اور اسلام کا نیا ایڈیشن ”معتدل اسلام“ کی راہ ہموار کر بیٹھا۔ اس کی اس حرکت سے اسلام پسند طبقہ سخت حیران اور مشوش ہے۔ دئی میں ایک مندر میں عرب کے چند شہزادوں کو بت پرستی کرتے دیکھا تو آپ علیہ السلام کی وہ پیش گوئی یاد آگئی جس میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت اس وقت تک وقوع پذیر نہیں ہوگی ”جب تک عرب کے کچھ قبیلے مشرکوں سے نہ مل جائیں۔“

ان روح فرسا اور ایمان سوز خبروں کے درمیان ایک خبر ۳۳ اپریل کو افغانستان سے آئی جس کے مطابق صوبہ قندوز کے ضلع دشت ارچی میں واقع ایک دینی ادارے پر وحشیانہ بمباری کی گئی، نتیجہ یہ کہ سو سے زیادہ افراد شہید ہو گئے، جن میں بیش تر وہ کم سن حفاظ تھے جن کی دستار بندی کے لئے اجلاس منعقد تھا۔ امریکہ کے مطابق اس حملے میں اس کا حصہ نہیں بلکہ یہ افغان سیکورٹی فورسز کی کارستانی ہے۔ ایسا وحشیانہ حملہ کہ ایک ساتھ سینکڑوں حفاظ جام شہادت نوش کر لیں، بڑا عبرت خیز اور سوہان روح ہے۔ بمباری میں جسم کے چیتھڑے اڑ گئے۔ ایسا غم انگیز منظر کہ دیکھا نہیں جاتا۔ یورپ کے وہ ذرائع ابلاغ جو ملالہ یوسف زئی پر حملے کی مذمت کرتے نہیں تھکتے تھے، آج نہایت بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموش ہیں۔ شاید اس وجہ سے کہ یہ سانحہ دینی ادارے کے طلبہ کے ساتھ پیش آیا ہے۔ مغربی ذرائع ابلاغ کو تو چھوڑیئے، خود مسلم ممالک نے اس بمباری پر ہنوز کوئی اظہارِ غم نہیں کیا ہے۔ یورپ کی یہی دوغلی پالیسی ہے جس نے مسلمانوں کو سخت بیزار بنا دیا ہے اور خود مسلم ممالک اسی منافقانہ روش پر گامزن ہے۔ اقوام متحدہ حسب سابق خاموش ہے۔ مسلم قیادتوں کی زبان پر قفل چڑھے ہوئے ہیں، بین الاقوامی اداروں کو کوئی صدمہ نہیں۔ خدا جانے مغرب اور مغرب نوا زوں کی انسانیت اس وقت کس دنیا میں بستی ہے؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔



## ذَٰلِكَ الْكِتَابِ

فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ

والباء متعلقة بمحذوف تقديره بسم الله اقراء لان الذي يتلوه مقرو و كذلك يضم كل فاعل ما يجعل التسمية مبدأ له وذلك اولی من ان يضمرا بدأ لعدم ما يطابقه ما يدل عليه او ابتدائی لزيادة اضمار فيه.

ترجمہ: بسم اللہ کی باء ایک فعل محذوف سے تعلق رکھتی ہے، اصل عبارت یہ ہوگی کہ ”بسم اللہ اقراء“ یہ تقدیر عبارت ہم نے اس لئے تسلیم کی کہ بعد میں آنے والی چیز پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے تو ”اقراء“ فعل جس کا ماخذ قراءت ہے مناسب تر ہوگا، بلکہ تسمیہ کرنے والے کو چاہئے کہ ایک ایسے ہی فعل کو تقدیر مانے جو اس کے شروع کردہ کام کے مناسب ہو۔ نیز ”اقراء“ کو مقدر ماننا بہتر ہے بجائے لفظ ”ابدأ“ کے، چوں کہ مابعد میں کوئی ایسا فعل نہیں ہے جس کے ”ابدأ“ مناسب ہو۔ مزید برآں ”ابدأ“ پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ بھی نہیں ہے اور ”اقراء“ کی تقدیر ’ابتدائی‘ کے مقابلہ میں بھی برجستہ ہے، یہ اس لئے کہ ابتدائی“ میں زائد از ضرورت مقدرات ماننا پڑیں گے (جو نحوی نقطہ نظر سے صحیح نہیں ہے،)

**تشریح:** مصنف لفظ بسم کے بارے میں پانچ مباحث زیر بحث لائے ہیں:

۱۔ نحوی بحث ۲: بحث علم معانی ۳۔ کلامی بحث ۴۔ لغوی بحث ۵۔ تفصیلات متعلقہ رسم الخط۔

۱۔ نحوی بحث: کا حاصل یہ ہے کہ باسم میں باء حرف جار ہے (حروف جار وہ حروف ہیں جو فعل یا شبہ فعل کے معنی کو اسم تک پہنچائیں) اس لئے کہ کوئی فعل ہونا چاہئے جس کے معنی کا ایصال الی الاسم ہو۔ یہ فعل موجود بھی ہوتا ہے اور گاہے محذوف، موجودگی کی صورت میں تو کوئی اشکال نہیں، البتہ محذوف ہونے کی صورت میں دو صورتیں ہیں: ۱۔ یا اس محذوف پر علاوہ حرف جر کے کوئی خاص قرینہ ہوگا ۲۔ یا نہیں اگر قرینہ ہے تو اس سے فعل متعین کو حرف جر کا متعلق بنایا جائے گا۔

۲۔ اور اگر کوئی قرینہ نہیں تو افعال عامہ میں سے کسی فعل کی تقدیر ہوگی (افعال عامہ مثلاً حاصل، کائن، ثابت



وغیرہ) اور چونکہ بسم اللہ میں حرف جار تو ہے لیکن متعلق محذوف ہے تو دو صورتیں زیر بحث رہیں گی، مقدر یا فعل ہوگا یا اسم۔ اور چونکہ فعل کی دو قسمیں ہیں: ایک عام اور دوسرا خاص۔

تو بعض محققین ”ابدأ“ فعل عام کو مقدر مانتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ابدأ فعل عام ہے اور ظرف مستقر کا متعلق بالعموم افعال عامہ میں سے ہوتا ہے، نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ ”ابدأ“ کو مقدر ماننے کی صورت میں نئی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی مطابقت کی سعادت بھی نصیب ہوگی۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل امر ذی بال لم یبدأ الخ اس فرمان نبویؐ میں ”لم یبدأ“ استعمال ہوا ہے ”ابدأ“ جس سے بھرپور مطابقت رکھتا ہے۔ جب کہ دوسرے مفسرین جملہ اسمیہ بنانے کی فکر میں ہیں اور اس لئے وہ ابتدائی“ مقدر مانتے ہیں ان کا خیال ہے کہ جملہ اسمیہ دوام پر دلالت کرتا ہے اور کسی شے کی مداومت (جو حاصل جملہ اسمیہ سے ہوگی) حدوث شے (جو نتیجہ جملہ فعلیہ کا ہے) سے بہتر ہے، کوفہ کے نحوی یہی خیال رکھتے ہیں، لیکن مصنف نے اقراً کو مقدر مانا ہے جو فعل خاص ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ تسمیہ کے بعد جو چیز ہے وہ قراءۃ سے تعلق رکھتی ہے اور اقراً اس کے مناسب ترین ہے بلکہ مصنف نے بطور افادہ ایک عام قانون بیان کر دیا وہ یہ ہے کہ آپ جو چیز شروع کر رہے ہیں اور اس کے آغاز میں بسم اللہ پڑھتے ہیں تو اپنے شروع کردہ فعل کے مناسب فعل مقدر مانئے، مثلاً کھانے کے لئے بیٹھ رہے ہیں تو ”بسم اللہ اکل“ پینے کا آغاز کر رہے ہیں تو ”بسم اللہ اشرب“ وغیرہ۔ مصنف کو اپنے رجحان پر اصرار ہے۔ اور دوسرے نقطہ ہائے نظر کی تردید میں وہ سرگرم ہیں چنانچہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے ابدأ کو مقدر مانا ہے وہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

درآں حالے کہ یہاں ابدأ پر دلالت کرنے والا کوئی فعل موجود نہیں۔ ”ابتدائی“ کی تقدیر ماننے والوں پر ان کی تردید یہ ہے کہ اس میں حذف زیادہ ماننا پڑتا ہے، چونکہ آپ ”ابتدائی“ کو مبتداء مؤخر قرار دیں گے اور بسم اللہ کو حاصل، کائن، ثابت۔ کے متعلق کہہ کر خبر بنائیں گے، اس صورت میں آپ کو اولاً تو ابتداء ہی مقدر تسلیم کرنا پڑا اور مستزاد کائن یا ثابت بخلاف اقراً کے کہ اس میں عبارت زیادہ مقدر نہیں ماننا پڑتی، درآں حالے کہ نحاۃ کی تصریح ہے کہ قلیل ترین محذوفات کثیر کے مقابل میں بہتر ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ خود لفظ ”اقراً“ کی تقدیر ”قرأتی“ کے مقابلہ میں بہتر ہے، چونکہ ”قرأتی“ میں وہی ناپسندیدہ کثیر محذوفات کا جھگڑا ہے نیز ایک تردید ابتدائی کی تقدیر پر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حسب تصریح مصنف اس لفظ پر دلالت کرنے والا کوئی فعل موجود نہیں اور جواب ان کا جو ابدأ کو مقدر کہتے ہیں یہ ہے کہ یہ کوئی عام قانون نہیں ہے کہ ہمیشہ ظرف مستقر کا متعلق فعل عام ہو بلکہ دستور یہ ہے کہ محذوف پر جب کوئی خاص قرینہ نہ ہو تو فعل عام مقدر مانا جاتا ہے اور قرینہ یہاں موجود ہے تو فعل خاص مقدر ماننا انسب ہے اور ان کی یہ دلیل کہ ابدأ کی صورت میں نبی اکرم ﷺ کے ارشاد سے مطابقت

ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ جناب رسول اکرم ﷺ لفظ ”ابدأ“ پر اصرار نہیں فرما رہے ہیں بلکہ آپ کے ارشاد کا اصل رخ اس جانب ہے کہ ہر چیز کا آغاز خدا تعالیٰ کے نام نامی کے ساتھ ہونا چاہئے خواہ وہ لفظ ”ابدأ“ ہو یا کوئی اور، لہذا یہ دلیل بھی مفید مطلب نہیں۔

**اشکال او داس کا حل:** قاضی صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ہر کام کرنے والا اسی فعل کو مقدر مانے کا جس کے لئے بسم اللہ کو ذریعہ آغاز بنایا ہے، حالاں کہ ایسا نہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ اس لفظ کی تقدیر کی جاتی ہے جو شروع کردہ کام پر دل ہو۔ اس لئے قاضی صاحبؒ کا بیان کردہ کلیہ صحیح نہ رہا۔ حل اس اشکال کا یہ ہے کہ مصنف کی عبارت اس طرح ہے:

يضمّر لفظاً يدلّ على ما يجعل التسمية مبدأه

ترجمہ: اس کا یہ ہوگا کہ ایسے لفظ کی تقدیر ہونی چاہئے جو شروع کئے ہوئے کام پر دلالت کرتا ہو، نیز آپ یہ بھی جواب دے سکتے ہیں کہ لفظ ”ما“ میں استخدام کی صنعت پیش نظر ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ما سے مراد دل ہے اور لہٰذا کی ضمیر مدلول کی طرف اشارہ کرتی ہے، اس طرح قاضی صاحبؒ کا بیان کردہ کلیہ شکست و ریخت سے محفوظ ہو گیا۔

وتقديم المعمول ههنا اوقع كما في قوله تعالى 'بسم الله مجربها' وقوله تعالى 'اياك نعبد لانه اهم وادل على الاختصاص وادخل في التعظيم ووافق للوجود فان اسمه تعالى مقدم على القراءة كيف لا وقد جعل الة لها من حيث ان الفعل لا يتم ولا يعتد به شرعاً ما لم يصدر باسمه تعالى لقوله عليه الصلوة والسلام كل امر ذي بال لم يبدأ فيه بسم الله تعالى فهو ابتر.

ترجمہ: اور تسمیہ میں معمول کو مقدم رکھنا اوقع ہے چونکہ خود خدا تعالیٰ نے بھی ذکر کردہ آیات میں معمول کو مقدم رکھا ہے اور یہ اس لئے کہ تقدیم کسی چیز کی اہمیت کی علامت ہے مزید برآں اختصاص کو بھی نمایاں کرتی ہے، مستزاد یہ کہ عظمت کو واضح کرتی ہے بلکہ اسم کے وجود کے مطابق بھی ہے، چونکہ باری تعالیٰ کا نام قرأت پر مقدم ہے اور یہ اس لئے کہ اسم خدا قرأت کا ذریعہ ہے۔ کسی فعل کا آغاز شرعاً اس وقت تک معتبر اور مکمل نہیں ہوتا وفتیکہ خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ اس کی ابتداء نہ ہو، اسی حقیقت کی جانب قول پیغمبر علیہ السلام مشیر ہے کہ جس کام کا آغاز آپ خدا تعالیٰ کے نام سے نہ کریں۔ درآں حالے کہ وہ اہم ہو (قدرتی طور پر) ناقص و ناتمام رہے گا۔

**تشریح:** بظاہر مصنفؒ کی یہ عبارت ایک اشکال کا جواب ہے، لیکن اسے نہ بھولنے کے سابق میں پانچ مباحث قائم کئے گئے تھے۔ جن میں سے صرف ابھی ایک یعنی نحوی بحث کا تذکرہ ہوا۔ باقی ماندہ چار بحثیں بدستور آ رہی ہیں تو اشکال یہ ہے کہ ”بسم اللہ کا متعلق اقرأ ہے یا کوئی اور، تاہم یہ عامل اور بسم اللہ معمول ہے اور یہ

آپ جانتے ہیں کہ معمول عامل کی خواہش کا نتیجہ ہے۔ اس طرح عامل طالب ہوگا اور معمول مطلوب، طالب مقدم رہتا ہے مطلوب مؤخر، جب کہ یہاں مطلوب طالب پر مقدم ہو گیا۔

قاضی صاحب نے اس اعتراض کو صاف کرنے کے لئے کچھ جوابات دیئے ہیں، جوابات کا حاصل یہ ہے کہ معترض نے جو کچھ کہا اور سمجھا یعنی تقدیم علی المعمول وہ علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ کہیں کہیں معمول کو مقدم کرنا زیبا ہوتا ہے۔ اور یہاں یہی وجہ زیبائی پیش آگئی۔ خود خدائے تعالیٰ نے بِسْمِ اللہِ مَجْرِبِہَا اور اَیَّاکَ نَعْبُدُ میں ان ہی وجوہ کی بنا پر معمول کو مقدم کر دیا۔ لیکن یہ جواب اس حیثیت سے محل نظر ہے کہ بسم اللہ مجربہا تقدیم معمول کی نظیر نہیں، چونکہ آپ مجبری کو اسم ظرف کہیں یا مصدر میمی ظرف مانئے تو اس میں عامل ہونے کی صلاحیت نہیں۔ اور اگر مصدر میمی مانئے تو بلاشبہ مصدر عامل ہوتا ہے لیکن وہ اپنے سے مقدم میں عمل نہیں کرتا، اور جب اس آیت میں یہ دو احتمال نکل آئے تو یہ تقدیم معمول کی مثال بن نہیں سکتی، تو مصنف کا جواب دہی کے موقعہ پر انہیں استعمال کرنا غلط ہوا، اس کا حل یہ ہے کہ تقدیم معمول کی حیثیت سے مصنف ان آیات کو پیش نہیں کر رہے ہیں بلکہ مصنف کے پیش نظر صرف تقدیم کا مسئلہ ہے یہ جواب قاضی صاحب کی جانب سے مفید ہوگا، لیکن ایک اور پریشانی کھڑی ہوگئی وہ یہ کہ پھر اس آیت کی ترکیب کیا ہے، اس کے بارے میں یہ عرض ہے کہ:

بسم اللہ مجربہا۔ ارکبوا کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یا بسم اللہ خبر مقدم اور مجربہا مبتدا مؤخر پہلی صورت میں عبارت ہوگی: ارکبوا متلبسین بسم اللہ۔ اور دوسری صورت میں بسم اللہ اجرائہا اب کوئی الجھن باقی نہیں رہتی۔

تقدیم معمول کی قاضی صاحب چار وجہیں ذکر کر رہے ہیں۔ اولاً۔ خدائے تعالیٰ کا نام ان کی ذات کی طرح خود معزز و مجتہل ہے، اس لئے اسم باری تعالیٰ کو مقدم کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ جن چیزوں کو مؤخر کیا جانا چاہئے تھا ان کو مقدم کرنے سے اختصاص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے تو اسم باری جسے مؤخر ہونا چاہئے اس کی تقدیم خصوصیت کو نمایاں کرے گی۔ تیسرے دستور ہے کہ باعظمت چیزوں ہی کو مقدم کیا جاتا ہے تو جب اسم باری تعالیٰ کو مقدم کیا گیا تو یہ تعظیم کی علامت ہوگی۔

چوتھے خدا تعالیٰ کی ذات گرامی تمام کائنات پر مقدم ہے تو ان کا اسم بھی ہر چیز پر مقدم ہوگا، تو اسم کی تقدیم وجود کی تقدیم سے مطابق ہو جائے گی، اور یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ہر چیز کے لئے آلہ ہے اور آلہ صاحب آلہ پر وجوداً مقدم ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کے نام کو اگر مقدم کیا جائے گا تو یہ امر ان کے آلہ ہونے کے شایان شان ہے۔

یہ اشکال نہ ہو کہ آلہ تابع ہونے کی بنا پر ملحوظ خاطر نہیں ہوتا، اس حیثیت سے اسم خدا کو آلہ قرار دینے میں ان کی رفعت شان نہیں۔ چونکہ جب خدا تعالیٰ کے نام کو آلہ قرار دیا جا رہا ہے تو مقصد اس کے غیر مقصود ہونے کی

حیثیت کو نمایاں کرنا نہیں، بالفاظ دیگر وہ کسی صنّاع کا آلہ نہیں بلکہ شرعی آلہ ہے جس کے بغیر کوئی کام مکمل نہیں ہوتا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ اسم تفضیل کا صیغہ تین طریقوں میں کسی ایک طرح استعمال ہوتا ہے: من کے ساتھ الف لام کے ساتھ اور اضافت کے ساتھ۔ قاضی صاحب نے عجیب و غریب کام کیا کہ بیک وقت اسم تفضیل کے چار صیغے استعمال کر رکھے ہیں۔ اہم، ادل، اوفق، ادخل اور نحاۃ کی تصریح کے مطابق طریقہائے استعمال ثلاثہ میں سے کسی کو اختیار نہیں کیا، حل یہ ہے کہ نحاۃ کی پابندی اسم تفضیل کے خبر نہ ہونے اور مفضل علیہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں ہے اور یہاں یہ دونوں باتیں نہیں، اس لئے نحوی دستور کی پابندی بھی ضروری نہیں۔

ہاں ایک اور اشکال ہو سکتا ہے اور وہ مصف کی عبارت پر ہے، چونکہ مصنف لکھتے ہیں کہ تقدیم اختصاص پر زیادہ دلالت کرتی ہے یا تقدیم تعظیم کو زیادہ واضح کرتی ہے، بظاہر اس کا یہ مطلب ہوگا کہ اگر تقدیم کے بجائے تاخیر کردی جائے تو نفس اختصاص و تعظیم اب بھی حاصل ہے، اگرچہ زیادہ نہ ہو، حالانکہ بصورت تاخیر اسم باری اختصاص و تعظیم حاصل ہی نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسم تفضیل کے چاروں صیغے بمعنی اسم فاعل ہیں گویا کہ اہم بمعنی مہم ہے اور جب یہ تاویل کر لی جائے تو اشکال بھی باقی نہیں رہا۔

**فائدہ:** ان نحوی و صرفی بحثوں سے قطع نظر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مومن کے ایمان کا اعلان اور شرک والحاد سے بیزاری کا اظہار ہے۔ اور وہ اس طرح کہ جب مومن ہر کام کے آغاز میں خدا تعالیٰ کا نام نامی لے گا تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ وہ صرف خدا ہی پر اعتماد کرتا ہے۔ غیر خدا پر نہیں، اس کا ہر کام خدا ہی کے لئے ہے کسی غیر کے لئے نہیں، وہ مدد خدا ہی سے طلب کرتا ہے نہ کہ اغیار سے، حصول برکت کے لئے اس نے خدائے تعالیٰ ہی کی ذات کو متعین کیا ہے، نہ کہ کسی ایرے غیرے کو۔ اور بلاشبہ نیت کا یہ اخلاص دل و دماغ میں خدا تعالیٰ کی بے پناہ قوتوں کا یہ یقین ایمان ہے، اخلاص ہے، توحید ہے، شرک والحاد و نفاق سے بیزاری و برأت ہے۔ یہی وہ قوت ہے جسے جانفزا کہتے، یہی وہ اعتماد ہے جس کے سامنے سارے سہارے بچھ ہیں۔ اسی سے کاموں میں بالیدگی، مہمات میں کامیابی اور تاریک راہوں میں ایک غیر مرئی روشنی کے قندیل روشن ہوتے ہیں۔

وقیل الباء للمصاحبة والمعنی متبرک کا باسم اللہ اقراء وهذا وما بعده مقول علی السنۃ

العباد لیعلموا کیف یتبرک باسمہ ویحمد علی نعمہ ویسئال من فضلہ.

ترجمہ: بعض کہتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ میں باء مصاحبت کے لئے ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ میں پڑھ رہا ہوں دریاں حالے کہ میں نے تیرا خدا تعالیٰ کے نام نامی سے تلبس کیا ہے، نیز بِسْمِ اللّٰهِ سے تا آخر سورہ فاتحہ بندوں کی زبانی ادائیگی اس مقصد کی تعلیم کے لئے ہے کہ حصول برکت باسم اللہ کا طریقہ کیا ہے اس کے انعام و اکرام پر اس کا شکر کیوں کر ادا ہو، اور اس کی مزید رحمتوں کی طلب گاری کا انداز کیا ہو۔

**تشریح:** سابقہ تفصیلات بسم اللہ کی باء کو استعانت پر محمول کرنے کی صورت میں تھیں، اور اگر اس باء کو بجائے استعانت کے مصاحبت پر محمول کیا جائے جیسا کہ تفسیر کی اہم کتب میں ہے تو اول مرحلہ ہی پر ایک اشکال ہوگا، وہ یہ کہ باء للمصاحبة یہاں درست نہیں، چوں کہ اللہ کے نام کے ساتھ تلّیس میں ایک سوء ادبی ہے، جو عبدیت کے منافی ہے، مصنف اسی اشکال کا جواب دے رہے ہیں کہ منافی عبدیت مطلقاً تلّیس ہے نہ کہ تبرکاً تلّیس، اور باء مصاحبت کی صورت میں تلّیس علی قصد التبرک کو نمایاں کرتی ہے جس میں کوئی اشکال نہیں، مطلقاً تلّیس کو نہیں جو اشکال سے لبریز ہے۔

**دستور:** مصنف بیضاوی کا دستور ہے کہ وہ اپنے پسندیدہ قول کو پہلے ذکر کرتے ہیں اور غیر پسندیدہ کو ثانیاً ”فلما ذکر ان الباء ههنا للاستعانة فهو ارجح عنده من كونه للمصاحبة ووجه الضعف ان الباء لما يُحمل على الاستعانة فالمعنى ان الفعل من افعالنا لا يمكن حصوله الا باعانتها والباء للمصاحبة يظهر ان حصول الشئ ممكن بغير اعانتها وذكر الله تعالى في الابتداء للتبرك فقط وانت خبير ان هذا انقص من ذاك.“

ایک اور اشکال ہو سکتا ہے کہ باء کو استعانت پر محمول کیجئے یا مصاحبت پر، بہر حال مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے نام سے مدد چاہ رہے ہیں، اور خود اپنے ہی نام سے برکت حاصل کر رہے ہیں، اپنی ہی تعریف ہے اور اپنی ہی عبادت اور خود اپنے ہی سے دعا مانگ رہے ہیں اور ان سب امور سے ذاتِ خدا تو بہت بالا و برتر ہے، بندوں کے لئے بھی مناسب نہیں، حل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی جانب سے یہ تعلیم و تلقین ہے کہ بندوں کو خدا تعالیٰ سے اس طرح مدد طلب کرنی چاہئے، یوں دعا کرنی چاہئے، عبادت کا انداز یہ ہو، اور نعمتوں پر شکر کا طریقہ یہ ہے، اس توجیہ کے بعد کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

وانما كسرت الباء ومن حق الحروف المفردة ان تفتح لاختصاصها بلزوم الحرفية والجر كما كسرت لام الامر ولام الاضافة داخله على المظهر للفصل بينهما وبين لام الابتداء ولام التاكيد.

**ترجمہ:** باء کو کسرہ دیا گیا، حالاں کہ یہ باء حروف مفردہ میں سے ہے جن کو فتح دیا جاتا ہے، پھر کسرہ کیوں دیا گیا؟ وجہ یہ ہے کہ باء کو دو چیزیں لازم ہیں: ایک حرف ہونا، اور دوسرے حرف جر ہونا، (ان دو امور نے بجائے فتح کے کسرہ کا تقاضا کیا) یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ لام امر کو کسرہ دیا گیا اور اس لام اضافت کو بھی جو اسم ظاہر پر داخل ہو جس کا مقصد فرق کرنا ہے لام امر اور لام ابتداء کے درمیان اور لام اضافت و لام تاکید میں۔

**تشریح:** ایک بڑا اشکال ہے، مصنف اسی اشکال کو حل کر رہے ہیں۔ اشکال کی ابتدائی شکل و صورت تو

ہمارے ترجمہ ہی سے واضح ہے لیکن بخوبی ذہن نشین کرنے کے لئے تمہید میں یہ بھی سمجھ لیجئے کہ، حروف کی دو قسمیں ہیں، مبانی، ومعانی۔ حروف مبانی تو وہ ہیں جو خود کلمہ نہیں لیکن کلمہ کی ترکیب انہیں سے ہوتی ہے جیسا کہ آپ نے بعض اشخاص کو دیکھا ہوگا کہ خود اپنے لئے کچھ نہیں کرتے، لیکن صبح وشام دوسروں کی مقصد برآری ان سے ہوتی ہے، بہر حال عمر میں ”ع، م، ر، حروف مبانی ہیں، رہ گئے حروف معانی تو آپ نے سنا ہوگا کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں، اسم و فعل و حرف۔ یہی حروف جو کلمہ کی قسم ہیں اور اسم و فعل کے قسم۔ ان کو حروف معانی کہا جاتا ہے، معرب اور مبنی ہونا حروف مبانی کی صفت نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ معرب و مبنی ہونا اوصاف کلمہ میں ہے اور مبانی جب کلمہ ہی نہیں تو معرب اور مبنی کیسے ہوں گے، رہ گئے حروف معانی، یہ مبنی ہوتے ہیں، اور مبنی کی حقیقی حالت سکون ہے۔ بناء ایک دائمی حالت ہے اور دوامی احوال کے لئے بلکی سی چیز مطلوب ہے اور سکون اخف اشیاء ہے اس لئے سکون مبنی کے مناسب ہے۔

اب حروف مفرد کو لیجئے، یہ ایک ایک ہوتے ہیں مثلاً عمر میں ”ع“ کو اگر ساکن کر دیا جائے تو اجاف کلمہ ہو جائے گا، تو اجاف سے بچنے کے لئے کوئی حرکت ہونی چاہئے، سکون تو حرکت ہے نہیں لیکن اتنا ہو سکتا ہے کہ کسی ایسی حرکت کی تلاش کی جائے جو ہلکا ہونے میں سکون کے مناسب ہو، اس مقصد کی تلاش میں فتح ملا جو سکون سے مناسبت رکھتا ہے۔ الحاصل حروف مفردہ پر فتح آنا چاہئے تھا۔

**خلاصہ اشکال:** بسم اللہ میں باء حروف مفردہ میں سے ہے، حروف مفردہ پر فتح ہونا چاہئے، لیکن بجائے فتح کے باء کے نیچے کسرہ ہے، ایسا کیوں ہوا؟

فاجاب المصنف العلام بهذا الاشكال، قال انما كسرت الباء الخ. وتقرير الجواب ان الحرفية والجر لازم بهؤلاء الحروف المفردة والمناسب للحرفية والجر الكسرة فلذا كسرت.

اب یہ بھی سمجھ لیجئے کہ کسرہ کیوں مناسب ہے؟ حرف کے مناسب تو اس لئے ہے کہ حرف سکون چاہتا ہے اور سکون کی حقیقت عدم حرکت ہے ادھر کسرہ اپنے وجود کی قلت کی بنا پر معدوم کے مرتبہ میں ہے کمال قال الشاعر البندی: صنم سنتے ہیں تیرے بھی کمر ہے ☆ کہاں ہے، کس طرف ہے اور کدھر ہے

فالشاعر انزل وجود الخاصرة منزلة المعدوم لان ظهر (الخاصرة) المحبوب يستحسن فيها دقتها. کسرہ قلیل الوجود اس لئے ہے کہ وہ تمام افعال پر داخل نہیں ہوتا بلکہ غیر منصرف پر بھی داخل نہیں ہوتا، اور چونکہ یہ اثر ہے حرف جار کا اور اثر و مؤثر میں مناسبت ہوتی ہے اور یہاں مؤثر کسرہ سے مناسبت لئے ہوئے ہے، اس لئے جر و کسرہ میں بھی مناسبت ہوگی۔

ثم اوضح هذا المرام بذكر بعض النظائر قائلاً منه كلام امرجو لِيَفْعَلَ میں ہے اسے بھی کسرہ دیا

گیا تا کہ لِفْعَل کے لام سے ممتاز ہو جائے۔ لِفْعَل کا لام مفتوح ہے فکان اللام فی موضعین فالنبتس احدھما الآخر فینبغی ان یمیز بینھما فمیزناہ بکسر اللام فی الامر و بفتحھا فی الابتداء۔ مزید لام اضافت اور لام تاکید میں التباس تھا، اسے ختم کرنے کی یہ صورت اختیار کی گئی کہ لام اضافت جب اسم ظاہر پر داخل ہو جیسا کہ لزید میں۔ تو اس لام کو مکسور کر دیا، اور جب تاکید کے لئے ہو جیسا کہ لَقَائِمٌ میں تو اسے مفتوح کر دیا، بہر حال جو کچھ اقدام یہاں یعنی لام ابتداء، ولام امر، لام اضافت ولام تاکید میں التباس سے بچنے کے لئے کیا گیا، ٹھیک اسی طرح بسم اللہ کی باء کو بھی بجائے مفتوح کے مکسور پڑھا گیا۔ خوب سمجھ لیجئے کہ اعتراض کے حل کے لئے جو نظائر پیش کئے گئے، ان میں وجہ اشتراک التباس کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ صرف نظائر مکسور و مفتوح ہونے میں بسم اللہ کی باء سے مشابہ ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم۔

والاسم عند البصريين من الاسماء التي حذفت اعجازها لكثرة استعمالها وبنيت اوائلها على السكون فادخل عليها مبتدأ بها همزة الوصل لان من دأبهم ان يتدأوا بالمتحرك ويقفوا على الساكن ويشهد له تصريحه على اسماء وأسماء، وسمى وسميت فجاء سمي كهدى لغة فيه قال والله السماك سمي مباركا، اترك الله به ايثاركا والقلب بعيد غير مطرد واشتقاقه من السمولانه رفعة للسمى وشعاره

**ترجمہ:** لفظ اسم نحاۃ بصرہ کے خیال میں ان اسماء سے تعلق رکھتا ہے جن کا آخری حرف بکثرت مستعمل ہونے کی بنا پر حذف کر دیا گیا، اور ابتدائی حرف کو ساکن کیا گیا، اور چونکہ ابتداء ساکن کے ساتھ مشکل و دشوار ہے، اس لئے آغاز میں ہمزة وصل کا اضافہ کیا گیا۔ عربوں کا یہی دستور ہے کہ وہ متحرک حرف سے شروع کرتے ہیں اور ساکن حرف پر توقف کرتے ہیں، بصریین کے اس خیال کی تائید اسم کی وہ گردان ہے جو اسماء، اسمی، سَمِی، سَمِیت کے اوزان پر ہے نیز سَمِی جو ہدٰی کے وزن پر ہے یہ بھی بصریین کے خیال کا موید ہے۔ ایک شعر یعنی۔

والله اسماء سمي مباركا: یعنی اے مدوح خدا نے تیرا نام منتخب کرنے میں بھی تجھ کو دوسروں پر ترجیح دی جیسا کہ تو خود دوسروں کے مقابلہ میں افضل ہے، مطلب یہ ہے کہ تیرا نام اور تیری ذات دونوں ہی افضل ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اسم کے یہ جو اوزان بیان کئے گئے ان میں ”قلب“ ہو گیا لیکن یہ غیر معقول بات ہے قلب اس قدر عام نہیں ہوا کرتا، اور اسم کا اشتقاق سُمُو سے رفعت کی بنا پر ہے کہ اسم میں خود رفعت ہے اور وہ رفعت مسمی کے لئے بھی کارآمد ہے۔

**تشریح:** یہ لغوی بحث ہے، اور اسم کے بارے میں بصرہ و کوفہ کے نحّات کے اختلاف کی تفصیل ہے،

اختلاف یہ ہے کہ اس کا ماخذ کیا ہے؟

بصرہ کے نحویین کہتے ہیں کہ سَمُوْ ماخذ ہے جو علم الصرف کے اعتبار سے ناقص ہے۔ اگرچہ یہ طے شدہ نہیں کہ ناقص واوی ہے یا، یا ئی! چونکہ اس کا ماضی جس طرح سموت آتا ہے علیٰ ذلہ دعوت ایسے ہی ماضی سمیت بھی آتا ہے کہ بروزن علیت، ہر دو وزن پر ماضی کے صیغے کی بنا پر یہ فیصلہ ہو گیا کہ آیا یہ ناقص واوی ہے یا یائی۔ تعلیل اسم: سَمُوْ کثرت استعمال اور مسلسل حرکات کی بنا پر خفت چاہتا ہے۔ خفت کا بہترین موقع یا اول ہے یا آخر، اس لئے اول کو ساکن کیا جس سے خفت حاصل ہوئی اور آخر سے واؤ کو حذف کیا کہ یہ حذف مزید خفت کا موجب ہوگا۔ ممکن ہے کہ آپ کا خیال ہو کہ اول کو بھی حذف کر دیا جاتا تو خفت حاصل ہو سکتی تھی لیکن اول کے حذف کرنے کی صورت میں صرف ایک حرف باقی رہ جائے گا، حالانکہ کلمہ کے لئے دو حرفی ہونا ضروری ہے یہ بھی پیش نظر رہے کہ عربی زبان میں اہل زبان ہی کی حد بندیوں کی رعایت ضروری ہے۔ عربوں کا دستور ہے کہ وہ آغاز کسی ساکن سے نہیں بلکہ متحرک سے کرتے ہیں، اس لئے ہمزہ وصل کو آغاز میں لانا ضروری ہوا۔ ان مراحل کے نتیجے میں ”اسم“ ہوا۔

یہ بھی توجہ طلب ہے کہ مذکورہ بالا حقیقت عام طور پر آپ کے کانوں میں الا بتداء بالسکون محال کے الفاظ کے ساتھ پہنچی ہوگی۔ لیکن بیضاوی علیہ الرحمہ نے یہ سنا سنایا قضیہ نہیں دہرایا، یہ اس وجہ سے کہ ابتداء بالسکون محال ہے یا نہیں؟ خود ایک اختلاف مسئلہ ہے، محال ماننے والوں کی دلیل یہ ہے کہ عربی لٹریچر میں آغاز بالسکون کی کوئی مثال نہیں ملی۔ اگر ہوتی۔ تو سامنے آتی معلوم ہوا کہ عرب اسے محال سمجھتے ہیں جب ہی اس کی نظیر کلام عرب میں موجود نہیں، لیکن دوسری جماعت جو سکون سے آغاز کو محال نہیں کہتی وہ عجمیوں کے عمل کو بطور دلیل پیش کرتی ہے کہ عجمی ابتداء بالسکون کر دیتے ہیں، ہندوستان میں پنجابی طبقہ ”اسٹور“ کو ”سٹور“ کہتا ہے یہ ابتداء بالسکون ہے، حالاں کہ دیکھنا یہ ہے کہ اہل عرب کے طریق کار کی پابندی کرنا ہے یا عربی قواعد میں عجمیوں کے معمولات سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، اس نکتہ کو کوئی واضح فیصلہ اگر کر لیا جائے تو ابتداء بالسکون محال اور غیر محال کا مسئلہ بھی طے ہو جائے گا۔

مصنف کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابتداء بالسکون کے محال ہونے کے قائل نہیں ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ تلاش کرنے والوں نے ابھی کامل تلاش سے کام نہیں لیا۔ مزید چھان بین کے نتیجے میں خود اہل عرب کے یہاں سکون سے ابتداء کی مثال مل سکتی ہے۔

قاضی صاحب اسم کو ناقص مانتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اسم کی جمع اسماء ہے اگر و سَم اس کی اصل ہوتی (جو مثال ہے) تو جمع اسام آنی چاہئے تھی۔ مزید برآں جمع الجمع ”اَسَامِی“ ہے و سَم ”آنی چاہئے تھی تو اسامی کا آنا و اَسَم کا نہ آنا ناقص ہونے کی دلیل ہے اس لئے اسم کی مثال نہیں کہا جاسکتا۔ (جاری)



## ہندوستان میں

### اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی؟

علامہ سید سلیمان ندویؒ

ملیبار اور اس کے اطراف میں جو پرانی قوم آباد ہے، اس کو نائر کہتے ہیں، یہ عام ہندوؤں سے بالکل مختلف ہے اور ان میں قدیم وحشت اور بربریت کے بہت سے اثرات پائے جاتے ہیں اور ان میں کوئی صحیح اور با نظام مذہب ایسا نہ تھا جو اسلام کا مقابلہ کر سکتا، ان کو عام برہمن نہایت ذلیل سمجھتے ہیں اور ان سے چھوت کرتے ہیں، تاریخ تھخہ المجاہدین میں ہے کہ اگر کوئی اونچی ذات کا ہندو ان سے چھو جائے تو جب تک وہ غسل نہ کرے، کھانہ نہیں سکتا اور اگر کھالے تو سردار اس کو اپنی برادری سے نکال کر انہیں بچ ذاتوں کے ہاتھ بیچ دیتا تھا اور اس کی بقیہ عمر غلامی میں گذرتی تھی، یا وہ بھاگ کر دوسری جگہ چلا جاتا تھا۔ ایک کنویں سے دوسرا پانی نہیں پی سکتا تھا، پاس بیٹھ سکتا تھا، آج بھی ان اطراف میں بالکل یہی حالت ہے اور آپ روز سنتے ہیں کہ مدراس میں برہمن اور نان برہمن کی لڑائیاں جاری ہیں۔

اسی طرح یہاں کی عورتوں پر یہ ظلم ہے کہ وہ بیک وقت چند شوہروں کی تابع دار ہیں اور ہر ایک کی خوش دلی ان کا فرض ہے۔ اس افسوس ناک واقعہ کا امیر خسرو نے ایک شعر میں ذکر کیا ہے۔ میر جمال الدین حسین آبخونے اپنے لغت میں لفظ ”ملیبار“ کے تحت میں ان کی اس رسم کو بیان کیا ہے (تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ڈ: ۳۷۳، نو لکھنور) غیر قوموں میں شادی کرنے سے بھی ان کو چنداں باک نہ تھا۔

الغرض جب مسلمان تاجرا دھر آئے تو ان مظلوم فرقوں کو اچھا خاصا ایک امن کا سایہ ہاتھ آیا، مسلمان تاجروں نے ان کو نوکر رکھا، ان سے تعلقات بڑھائے، ان کی عورتوں سے شادیاں کیں، بچ قوم کے لوگ اور نیز ذات سے خارج لوگوں نے بھاگ بھاگ کر اسلام کے دامن امن میں پناہ لینی شروع کی اور یہی لوگ جب مسلمان ہو کر

دوسرے مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل کر لیتے تھے تو دوسرے ہندو بھی ان کی عزت میں کمی نہیں کرتے تھے، یہ دیکھ کر یہاں کی ادنیٰ قوموں کو اور بھی اسلام کی طرف رغبت ہوئی۔

یہی حال اس ملک کا آج بھی ہے، اگر ان اطراف میں دفعۃً پرتگیز نہ پہنچ گئے ہوتے تو یہ پورا علاقہ دائرہ اسلام میں آگیا ہوتا، لیکن پرتگیزوں نے یہاں آکر اور دریا سے عربوں کی تجارت کا راستہ روک کر ان کو تباہ کر دیا اور آبادی کے مسلمانوں کے عرب و مصر سے اپنے تعلقات کے توڑنے پر مجبور کر دیا، بالآخر عیسائیوں نے غلبہ پایا اور اس وقت سے ان مقامات میں اسلام کی جگہ عیسائیت نے لے لی ہے۔ چنانچہ تمام صوبوں سے زیادہ وہاں عیسائیت کو فروغ ہے اور روز بروز وہاں صلیب پرستوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور ٹراونکور اور کوچین کے علاقے کے لوگ تو گویا پورے کے پورے عیسائی ہو گئے ہیں۔

ذیل میں ہم تختہ المجاہدین (جو علاقہ مالا بار کی تنہا تاریخ ہے) کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، جن سے حقیقت حال ظاہر ہوگی:

”ہندوستان کے مغربی ساحل کے بندرگاہوں میں مختلف ملکوں سے تاجر بکثرت آتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے شہر آباد ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کی تجارت سے ان میں آبادی بڑھ گئی ہے اور مکانات کثرت سے بن گئے ہیں، یہاں کے سردار اور راجہ مسلمانوں پر سختیاں کرنے سے پرہیز کرتے ہیں، باوجودیکہ یہ سردار اور ان کی سپاہ بت پرست ہے، مگر وہ مسلمانوں کے مذہب اور ان کے شعائر کا بہت کچھ پاس و لحاظ کرتے ہیں۔ بت پرستوں اور مسلمانوں کے اس اتحاد سے اس لئے اور تعجب پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کل آبادی کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس عہد میں ان تاجروں کی مدد سے اس علاقہ کی آبادی کا کتنا حصہ حلقہ بگوش اسلام ہو چکا تھا۔

”بحیثیت مجموعی ملبار کے ہندو راجاؤں کا برتاؤ مسلمانوں کے ساتھ عزت اور مہربانی کا ہے

کیوں کہ ان کے ملک میں زیادہ شہروں کا آباد ہو جانا ان ہی مسلمان تاجروں کی بود و باش کا نتیجہ ہے۔“

اس اقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان اطراف سے ہندو راجہ کیوں عرب تاجروں کی اس قدر عزت کرتے تھے اور ان کے کاروبار میں کوئی دخل نہیں دیتے تھے۔

”ناز قوم کے لوگ اپنے ایسے ہم قوموں سے جو بت پرستی چھوڑ کر مسلمان ہو جاتے ہیں،

مزاحمت نہیں کرتے اور نہ ان کو دھمکیاں دے کر ڈراتے ہیں بلکہ وہ ان کے ساتھ ایسی ہی عزت کا

برتاؤ کرتے ہیں جیسے اور مسلمان کے ساتھ، خواہ وہ نو مسلم کسی ہی نیچی ذات سے مسلمان ہوا ہو۔“

اس اقتباس نے اس راز کا پورا پردہ کھول دیا کہ ان بیچ ذات کے لوگوں کے اسلام لانے کا سبب کیا تھا۔ عرب جغرافیہ نویسوں اور سیاحوں نے ہندوستان کے جن حصوں کا حال لکھا ہے وہ وہی ہیں جو عرب تاجروں کے بحری گزرگاہ تھے، وہ خلیج فارس کے بندرگاہوں سے جن میں مشہور سیراف اور بصرہ ہے، سندھ آتے تھے اور یہاں سے سمندر کے کنارہ کو کن اور گجرات کے سواحل سے گزر کر مدراں کے سواحل پر پہنچتے تھے اور یہاں سے لنگر اٹھا کر مشرقی بنگال اور آسام کو عبور کر کے چین کی راہ لیتے تھے، راستہ میں مالدیپ، سیلون، جاوا، سماٹرا، سنگاپور اور دوسرے جزائر کی طرف بھی نکل جاتے تھے۔ چنانچہ ان کے یہی تجارتی رہ گزران کی اشاعت اسلام کی کوششوں کے مرکز تھے۔

سواحل ہند پر سندھ سے لے کر حدود چین تک وہ متعدد ہندو راجاؤں اور سلطنتوں کے نام گناتے ہیں، مگر یہ نام کچھ ان قدیم سلطنتوں اور شہروں کے معدوم یا گم نام ہو جانے سے کچھ عربی میں تلفظ بدل کر کچھ کتابوں کے ناخنوں اور کتابوں کے ہاتھوں سے کچھ سے کچھ ہو کر بالکل غیر معروف ہو گئے ہیں، ان سلطنتوں یا ملکوں میں سے چند مشہور نام یہ ہیں جن کو تمام جغرافیہ دانوں اور سیاحوں نے بالاتفاق نقل کیا ہے۔

سلطنت بلہرا، جزر، طافن، کش بین اور رہی ان کے علاوہ نانڈا اور موگا وغیرہ کے علاقے آتے ہیں، ہندوستان کے مستشرق مورخین مثلاً الیٹ، اٹاڈ، ریناؤ وغیرہ نے ان ناموں کی اصل نکالنے میں بڑی دیدہ ریزی کی ہے، ان کی تحقیق کا نتیجہ یہ ہے کہ بلہرا کی اصل بلہرہ رائے ہے، جو مالوہ کے حکمران خاندان کا نام تھا، عربوں نے بھی اس کو شاہی لقب ہی بتایا ہے، جزر تو ظاہر ہے کہ گجرات ہے، طافن کی نسبت ان خصوصیات کی بنا پر جو عربوں نے بیان کی ہیں ریناؤ کی رائے ہے کہ وہ اورنگ آباد کن ہے لیکن طافن کا وہ حل نہیں کر سکا، میری رائے ہے کہ طافن نہیں یہ لفظ طاقن ہے۔ چنانچہ اس کا املا طاقن بھی ریناؤ نے پایا ہے اور طاقن اور طاکن، داکھن یا دکھن کی خرابی ہے، کش بین کو ٹاڈ کچ بھوج (عربی میں جش سے بدل جاتی ہے) اور ریناؤ میسور بتاتا ہے اور رہی راج کو مشرقی بنگال قرار دیتا ہے۔

عربوں نے سب سے زیادہ بلہرا یا بلہرہ رائے کی سلطنت کا ذکر کیا ہے اور اس کے دارالسلطنت کا نام وہ مانگیر (مانگیر یا مانگیر) بتاتے ہیں اور کمکم نام ایک علاقہ بھی وہ اس میں شامل کرتے ہیں، کمکم غالباً کوکن ہے، سب سے پہلا عرب سیاح جس کا سفر نامہ زمانہ کے دست و برد سے محفوظ ہے، وہ عراق کے تاجر سلیمان سیرانی کا ہے، اس نے اپنا سفر نامہ تیسری صدی ہجری (آٹھویں صدی عیسوی) کے شروع میں لکھا تھا۔ فرانسیسی مستشرقین رینارڈ (Reinaud) نے اس کو مع فرنیچ ترجمہ اور حواشی کے ۱۸۴۵ء میں سلسلۃ التوارخ کے نام سے شائع کیا ہے۔

اس نے اپنا سفر نامہ انہی راستوں سے کیا ہے جن کا ذکر ابھی اوپر گذرا، وہ بیان کرتا ہے کہ ہندوستان اور چین

کے لوگ بلا اختلاف یہ یقین رکھتے ہیں کہ دنیا میں چار بادشاہ سب سے بڑے ہیں، سب سے بڑا وہ عرب کے بادشاہ (خلیفہ بغداد) کو سمجھتے ہیں کہ وہ سب سے دولت مند، سب سے زیادہ باجاہ و جلال ہے اور وہ سب سے بڑے مذہب کا بادشاہ ہے، جس سے بڑی کوئی چیز نہیں، اس کے بعد خاقان، چین، بعد ازیں قیصر روم، پھر راجہ بلہرا، سوراخ کئے ہوئے کانوں والے آدمیوں کا بادشاہ، راجہ بلہرا تمام ہندو راجاؤں سے زیادہ معزز ہے اور گوہندوستان کا ہر راجہ اپنی سلطنت میں مستقل ہے مگر اس کی بزرگی کو سب تسلیم کرتے ہیں، بلہرا کے راجاؤں کی عمریں بڑی ہوتی ہیں، بلہرا کی رعایا کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے راجاؤں کی عمریں اس لئے بڑی ہوتی ہیں کہ وہ عربوں (مسلمانوں) سے محبت رکھتے ہیں، تمام راجاؤں میں راجہ بلہرا سے زیادہ عربوں (مسلمانوں) سے زیادہ محبت رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں اور اسی طرح اس کی رعایا بھی محبت رکھتی ہے۔

کیا یہ سمجھا جائے کہ کون میں مسلمانوں کی زیادہ بود و باش اور اسلام کی اشاعت بلہرا کے راجاؤں کی اسی بے تعصبی کا نتیجہ ہے؟ گجرات کے راجہ کی نسبت اس کا بیان ہے کہ:

”وہ عربوں (مسلمانوں) کا دشمن ہے، بایں ہمہ وہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ عرب کا بادشاہ

(خلیفہ بغداد) دنیا میں سب سے بڑا بادشاہ ہے اور ہندو راجاؤں میں اس سے زیادہ اسلام کا کوئی

دشمن نہیں۔“

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ:

”طاقن (یادکھن) کا راجہ بھی عربوں (مسلمانوں) سے راجہ بلہرا ہی کی طرح محبت رکھتا ہے۔“

”چین والے داڑھی نہیں رکھتے اور وہ قدرۃ بھی اس سے محروم ہیں لیکن ہندوؤں کی لمبی لمبی

ڈاڑھیاں ہوتی ہیں، مونچھیں بھی نہیں ترشواتے۔“

..... چین اور ہندوستان کے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ بدوہ (بدھ) کے مجسمے اور بت (بت کی

اصلیت بھی بدھ یعنی بودھ ہے) ان سے باتیں کرتے ہیں، حالانکہ باتیں ان کے پجاری کرتے

ہیں، اور ان دونوں ملکوں کے لوگ جانور قتل کر کے کھاتے ہیں، اہل چین میں خود اپنا کوئی مذہب

نہیں ہے، ان کا مذہب ہندوستان سے آیا ہے اور وہ بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان ہی نے یہ بدھ

کے مجسمے ان کے لئے بنائے ہیں اور ہندو ہی اصل مذہب والے ہیں اور یہ دونوں قومیں تنازع کی

قائل ہیں، صرف مذہب کی فروعی باتوں میں ان کا اختلاف ہے..... اور جہاں تک علم ہے ان

دونوں قوموں کے لوگوں میں کوئی مسلمان نہیں ہے اور نہ کوئی عربی بولتا ہے۔“

اس اقباس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کہ اسلام کا مقابلہ برہمنی دھرم سے نہیں لیکن

بدھ مت سے تھا، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک ہندوستان کے جن علاقوں سے وہ گزرا ہے وہاں کوئی نو مسلم ہندو اس کو نہیں ملا ہے، البتہ عرب تاجروں کی نوآبادیاں اس کی ملتی جاتی ہیں، جیسے دکن اور کوکن کے علاقوں میں۔

عرب تاجروں اور سیاحوں نے جزائر ہند میں ”دیپجات“ دیپ کے جزیروں کا جن سے ان کی مراد سرندیپ، سنگلدیپ اور مالدیپ ہیں، بہت ذکر کیا ہے، خصوصاً سرندیپ (سیلون) جہاں ایک پہاڑ پر ان کے اعتقاد کے مطابق حضرت آدم اور حوا کے نقش قدم ہیں، لوگ جو ادھر سے گزرتے تھے ان کی زیارت کو جاتے تھے، سلیمان تاجر نے جزائر کے اثنائے ذکر میں کسی مسلمان آبادی کا ذکر نہیں کیا ہے، لیکن سلیمان کے بعد اس کے سفر نامہ کا ایک اور عرب تاجر ابو زید سیرانی نے تذکرہ لکھا ہے، جو تیسری صدی ہجری کے وسط میں غالباً لکھا گیا ہے، اس میں سرندیپ کے بیان میں یہ پوری تصریح ہے کہ عرب تاجروں نے یہاں آباد ہونا شروع کر دیا ہے۔

تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کے شروع میں بزرگ بن شہر یا ایک ایرانی مسلمان جہازراں نے سالہا سال کے بحری سفر کے بعد خود اپنے چشم دید اور دوسرے جہازراںوں سے سنے ہوئے واقعات ”عجائب الہند“ کے نام سے قلم بند کئے ہیں اور مطبع بریل لیڈن نے اس کو چھاپا ہے۔ اس کتاب میں جا بجا مسلمانوں کے نوآبادیوں کے تذکرے ملتے ہیں۔ ایک ہندو جہازراں کا حال ملتا ہے جو مسلم تھا اور اسی جہازرانی سے اس نے بڑی دولت کمائی تھی، اس نے حج کیا تھا، اتنے زمانہ میں زیور یعنی ملیبارو کالی کٹ کے راجہ کے ملک میں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ہو گئی تھی کہ ان کے لئے ایک مسلمان قاضی جس کو ”ہنرمند“ کہتے تھے راجہ کی طرف سے منتخب کیا جاتا تھا۔

جاوا میں بھی ہم کو اس عہد میں مسلمان تاجر ملتے ہیں اور اس طرح کہ وہاں کے راجہ کے دربار میں مسلمان درباری رسوم و آداب معاف کئے جاتے ہیں۔ سنگاپور کے دربار میں بھی مسلمان ملتے ہیں۔ بمبئی کے قریب بھی مسلمان ملتے ہیں۔ مانگیر کے علاقہ میں ایک مسلمان کو ایک درخت ملتا ہے جس کے پتوں پر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہوتا ہے۔ پتوں پر لکھا ہو یا نہ ہو مگر اس سے دلوں پر کلمہ طیبہ کا آغاز نقش تو ثابت ہوتا ہے۔ انڈمان کے جزیرہ میں حضرت سلیمان کا مقبرہ دکھائی دیتا ہے۔

(جاری)



# علم حدیث کے لئے

## اکابر اسلام کے اسفار

ڈاکٹر محمود احمد غازی

علم حدیث کے لئے سفر کرنے کا طریقہ سب سے پہلے خود صحابہ کرامؓ نے شروع کیا۔ صحابہ کرامؓ نے کئی مواقع پر طویل سفر اختیار فرمایا، جن کا مقصد یہ تھا کہ حدیث کے بارے میں جو معلومات کسی اور صحابیؓ کے پاس ہیں ان کو حاصل کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو عبادلہ اربعہ میں سب سے پہلے درجہ پر فائز ہیں یعنی عبداللہ کے نام کے چار مشہور صحابیوں میں جن کا درجہ سب سے پہلا ہے اور صحابہ کرامؓ میں جو فقہ اور افتاء میں سب سے نمایاں صحابہ میں سے تھے، ان کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کب نازل ہوئی ہے اور کہاں نازل ہوئی ہے۔ میں ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں اور الحمد للہ ہر سورۃ کے بارے میں مجھے علم ہے۔ اگر کوئی آیت ایسی ہوتی جس کے بارے میں میں نہ جانتا کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور کب نازل ہوئی یا جس کے بارے میں مجھ سے زیادہ کوئی جاننے والا موجود ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا اور جہاں تک سواریاں اور اونٹنیاں پہنچا سکتی ہیں وہاں پہنچتا اور اس آیت کے بارے میں معلومات حاصل کرتا۔ یہ متفق علیہ حدیث ہے اور بخاری و مسلم دونوں نے اس کو نقل کیا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ ایک مشہور صحابیؓ ہیں، ان کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی شام میں مقیم ہیں جن کا نام عبداللہ بن انیس ہے، ان کے پاس کوئی ایسی حدیث ہے جو جابر بن عبداللہؓ نے نہیں سنی۔ جابر بن عبداللہؓ نے سفر کے مصارف اور زاد راہ کا انتظام کیا، اونٹ خریدا اور ایک مہینے کا سفر کر کے شام پہنچے۔ دمشق گئے، عبداللہ بن انیس کے مکان کا پتہ کیا، دروازے پر کھٹکھٹایا، ملازم نکلا، اس نے اندر جا کر بتایا کہ کوئی بدو آیا ہے، پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے، گرد آلود ہے، معلوم ہوتا ہے کہ دور سے سفر کر کے آیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن انیس نے کہا کہ جا کر نام معلوم کرو۔ انہوں نے کہا کہ جابرؓ عبداللہ بن انیس نے ملازم سے مزید وضاحت کروائی کہ کون

جابر؟ باہر سے جواب لایا گیا کہ جابر۔ بن عبد اللہؓ یہ نام سنتے ہی عبد اللہ بن انیس تڑپ اٹھے۔ اندر سے دوڑتے ہوئے نکلے، حضرت جابر کو گلے لگایا، پیشانی پر بوسہ دیا اور پوچھا کہ کیسے تشریف لائے؟ انہوں نے کہا 'بس اتنا معلوم کرنا تھا کہ فلاں کے بارے میں پتہ چلا تھا کہ وہ آپ کے پاس ہے۔ اس کے الفاظ کیا ہیں اور آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کن الفاظ میں اس حدیث کو سنا تھا؟ انہوں نے دوہرایا کہ ان الفاظ میں سنا تھا۔ انہوں نے کہا الحمد للہ، صرف اس غرض کے لئے آیا تھا اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے۔ اونٹ کی باگ موڑ دی اور واپس مدینہ منورہ کی طرف چل پڑے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کو ایک مرتبہ ایک اور حدیث کے حصول کے لئے مصر جانے کا موقع ملا۔ مصر میں ایک صحابی کے بارے میں انہوں نے سنا کہ ان صحابی کے علم میں کوئی حدیث ہے اور ان کے علاوہ کوئی اور صحابی اس وقت ایسے نہیں ہیں جو اس حدیث کا علم رکھتے ہوں۔ وہ اونٹ پر سوار ہوئے اور مدینہ منورہ سے سفر کر کے مصر پہنچے۔ وہ صحابی مصر کے گورنر تھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا، ملازم نکلا تو بولے کہ گورنر سے کہو کہ باہر آئے۔ ملازم کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کون شخص ہے، اس لئے کہ اس طرح تو کوئی نہیں کہتا۔ لوگ تو درخواست لے کر آتے ہیں کہ میں گورنر سے ملنا چاہتا ہوں، کس وقت ملاقات کا موقع مل سکتا ہے وغیرہ۔ یہ کون شخص ہے جو گورنر سے باہر آنے کا کہہ رہا ہے۔ اس نے جا کر کہا کہ باہر ایک بدو آیا ہے اور کہتا ہے کہ گورنر سے کہو کہ باہر آئے، وہ بھی اپنے ساتھیوں کے مزاج شناس تھے، سمجھ گئے کہ کوئی صحابی ہوں گے۔ کہا کہ جا کر نام پوچھ کر آؤ۔ انہوں نے کہا جابر۔ انہوں نے کہا کہ ہونہ ہو یہ جابر بن عبد اللہ ہیں، دوڑتے ہوئے باہر آئے، گلے ملے اور پوچھا کہ کیسے آنا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ آپ کے پاس ایک حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں کہ من ستر عودۃ مسلم فکانما احیا مؤدۃ یعنی جس نے کسی مسلمان کی کسی کمزوری کو چھپایا وہ ایسا ہی ہے جیسا کسی نے زندہ درگور کی جانے والی بچی کو زندگی بخشی۔ کسی مسلمان کی کسی کمزوری کو چھپانا ایسا ہی کار ثواب ہے جیسا کسی ایسی جان کو بچالینا جس کو اس کے رشتہ دار زندہ درگور کرنے کے لئے آمادہ ہوں۔ گورنر صاحب نے تصدیق کی اور دوبارہ حدیث کے الفاظ دہرا دیئے۔ انہوں نے یہ الفاظ سنے، نعرہ تکبیر بلند کیا، اللہ اکبر کہا اور واپس تشریف لے گئے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو پتہ چلا کہ یہی حدیث دوسرے الفاظ میں ایک صحابی کے پاس ہے۔ انہوں نے بھی مدینہ منورہ سے مصر کا سفر اختیار کیا، ان صحابی کے مکان پر دستک دی اور یہ حدیث ان الفاظ میں سنی کہ: من ستر مومنًا فی الدنیا سترہ اللہ فی یوم القیامۃ جو شخص اس دنیا میں کسی مومن کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ انہوں نے اللہ اکبر کہا، الحمد للہ کہا اور اپنی سواری کی باگ موڑ کر واپس تشریف لے گئے۔

ایک صحابی جن کا نام عبید اللہ بن عدویؓ ہے، ان کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے قبیلہ بنی عبد مناف سے تھا، ان کو پتہ چلا کہ حضرت علیؓ کے پاس کوئی حدیث ہے جو ان تک نہیں پہنچی۔ یہ مدینہ منورہ سے چلے، کوفہ پہنچے، حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے حدیث سنی، سیکھی، یاد کی، نوٹ کر لی اور واپس چلے گئے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ نے دو سفر کئے۔ ایک شام کا اور ایک مصر کا، دونوں سفر میں صرف دو احادیث سن کر واپس آ گئے۔ حضرت ابوالیوب انصاریؓ نے بھی ایک سفر مصر کے لئے اختیار کیا۔ حضرت عقبہ بن عامر الجہنی جو مصر میں تھے، ان سے علم حدیث کے بارے میں کوئی روایت معلوم کی اور واپس آ گئے۔ صحابہ کرامؓ کے اور بھی واقعات ہیں جن میں انہوں نے کسی حدیث کی تحقیق کے لئے سفر اختیار کئے۔ ان چند واقعات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے ایک ایک روایت کی تحقیق کی خاطر کتنے سفر اختیار کئے۔

### علم حدیث کے لئے تابعین کے اسفار

جب تابعین کا زمانہ آیا تو یہ روایت اور بھی زیادہ عام ہو گئی۔ اتنی عام ہو گئی کہ ایک ایک لفظ اور ایک بات سیکھنے کے لئے تابعین طویل سفر اختیار فرمایا کرتے تھے۔ امام شعبیؒ جن کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی اور وہ امام ابو حنیفہ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص شام کے انتہائی شمالی علاقے سے سفر کرے اور یمن کے انتہائی جنوبی علاقے تک جائے اور کسی حدیث کا ایک لفظ یاد کر کے واپس آ جائے فحفظ کلمۃ کوئی ایک کلمہ سن کر آ جائے تنفع فی ما یشقبلہ جو مستقبل میں اس کے لئے مفید اور کارآمد ہو تو میرا یہ خیال ہے کہ اس کا یہ سفر ضائع نہیں ہوا، یہ سفر کامیاب اور کامران و مفید ہے۔

حضرت علقمہ اور اسود دؤ مشہور اور بڑے تابعین میں سے ہیں اور ان کا درجہ تفقہ میں اور شریعت کے فہم اور بصیرت میں بہت اونچا مانا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ امام ابو حنیفہؒ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ اگر شرف صحابیت اور احترام صحابیت مانع نہ ہوتا تو میں یہ کہتا کہ علقمہ کا تفقہ عبد اللہ بن عمرؓ سے بڑھ کر ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں کوفہ میں تھے، وہ اور اسود نخعی دونوں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگرد تھے اور بقیہ لوگوں سے بھی احادیث اور روایات سیکھتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے حوالے سے لوگوں سے بعض روایات سنیں۔ حضرت عمر فاروقؓ مدینہ منورہ میں حیات تھے۔ ان دونوں حضرات نے ایک دو مرتبہ نہیں، بارہا کوفہ سے مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا اور وہ روایات براہ راست حضرت عمر فاروقؓ کی زبان سے سنیں جو وہ پہلے تابعین کے ذریعے بالواسطہ سنتے تھے، اس میں علو اسناد بھی ہے اور روایت کا مزید تحقیق اور ثبوت بھی ہے۔

ایک مشہور تابعی ہیں ابوالعالیہ، وہ کہتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول ﷺ کے بارے میں روایات سنتے رہتے



تھے۔ ان سے وہ روایات جو تابعین روایت کرتے تھے وہ بصرہ ہم تک پہنچتی تھیں۔ فمما نرضی حتیٰ نرکب الی المدینۃ ہم اس پر راضی نہ ہوتے تھے جب تک مدینہ جا کر براہ راست ان صحابہ کرامؓ کی زبان مبارک سے نہ سنیں۔ فنسمع من افواہہم ان کی زبان مبارک سے براہ راست سننے کے لئے ہم مدینہ کا سفر اختیار کرتے تھے۔ اس وقت اگر سڑک کے راستہ بصرہ سے مدینہ منورہ آئیں اور یاد رہے کہ سعودی عرب کی سڑکوں پر سو ڈیڑھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنا معمول کی بات ہے۔ آج بھی بصرہ سے مدینہ منورہ تک پہنچنے میں کم از کم تیس گھنٹے لگیں گے، اس زمانے میں یہ کم و بیش ایک ڈیڑھ مہینے کا سفر ہوا کرتا تھا۔

حضرت ابو عثمان النہدی ایک اور تابعی ہیں، ان کو پتہ چلا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس ایک ایسی روایت ہے جو براہ راست ان ہی سے مل سکتی ہے، کسی اور صحابیؓ کے پاس وہ روایت نہیں ہے، یا کم از کم ان صحابہ کے پاس نہیں ہے جن تک ان کی رسائی تھی۔ انہوں نے مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا۔ مدینہ منورہ پہنچتے پہنچتے حج کا زمانہ آ گیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ حج کے لئے تشریف لے گئے، یہ بھی حج کے لئے چلے گئے۔ حج سے فارغ ہو کر حضرت ابو ہریرہؓ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ ہمارا ارادہ تو حج کرنے کا نہیں تھا، لیکن یہ سنا تھا کہ آپ کے پاس ایک روایت ہے جو کسی ذریعہ سے مجھ تک پہنچی ہے۔ میں اس کے بارے میں براہ راست آپ سے تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا: وہ کیا روایت ہے؟ انہوں نے کہا کہ روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان اللہ لیكتب لعبده المؤمن بالحسنة الواحدة الف الف حسنة اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے مومن بندے کے لئے ایک نیکی کے بدلے میں دس لاکھ نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ سننے والے سے غلطی ہوئی۔ صحیح الفاظ یہ نہیں ہیں، اب ان کو بڑی مایوسی ہوئی کہ میرے پاس ایک بہت حوصلہ افزا اور ایمان افروز حدیث تھی، جس کی تصدیق حضرت ابو ہریرہؓ نے نہیں کی۔ فوراً ان کے دل میں مایوسی کی ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اصل الفاظ یہ ہیں: ان اللہ لیعطی لعبده المؤمن بالحسنة الواحدة الف الف حسنة اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ایک نیکی کے مقابلہ میں دس لاکھ نیکیاں دیتے ہیں، اب انہوں نے حیرت سے دیکھا کہ ایک نیکی کے مقابلہ میں دس لاکھ نیکیاں کیسے ہو سکتی ہیں؟ اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ جو لوگ اللہ کو قرض دیں گے قرضاً حسناً فیضعفہ لہ اضعافاً کثیرۃ تو اللہ تعالیٰ ان کے لئے اس کو بہت گنا بڑھا دیں گے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے تمہارے لئے دس بیس لاکھ تھوڑی رقم ہے۔ اللہ کے لئے تو اضعافاً کثیرۃ ہے، بہت گنا تو اللہ تعالیٰ کے لئے دس لاکھ، بیس لاکھ کوئی بڑی بات نہیں ہے، وہ اس اضافہ اور ترمیم کے ساتھ خوشی خوشی واپس آئے اور یہ حدیث انہوں نے ایک واسطہ کم کر کے براہ راست صحابی رسولؐ سے سن لی۔ ایک تابعی تھے ابن الدیلمی، فلسطین میں رہتے تھے۔ ان کو پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ جو صحیفہ

صادق کے مصنف ہیں، مدینہ منورہ آئے ہوئے ہیں اور ان کے پاس ایک ایسی روایت ہے جس سے شراب خور کے بارے میں کوئی وعید ثابت ہوتی ہے۔ وہ فلسطین سے سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچے، مدینہ میں لوگوں نے بتایا کہ وہ تو مکہ مکرمہ چلے گئے ہیں۔ وہ سفر کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے، وہاں پہنچے تو کسی نے بتایا کہ حضرت عبداللہ طائف میں اپنے باغ کی دیکھ بھال کے لئے گئے ہیں اور وہیں پر مقیم ہیں۔ چنانچہ یہ طائف پہنچے اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث شراب خور کی وعید کے بارے میں سنی ہے؟ آپ نے فرمایا: سمعت رسول اللہ ﷺ يقول میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: من شرب الخمر جس نے شراب پی، لم تقبل له صلوة اربعین صباحاً تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔

ایک صاحب امام اوزاعیؒ کے پاس علم حدیث سیکھنے کے لئے تشریف لائے، چار پانچ دن امام اوزاعیؒ کے پاس رہے۔ صبح سویرے امام کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے اور رات تک ان کی خدمت میں رہتے تھے۔ امام اوزاعیؒ ایک دن میں ایک ہی حدیث سنانے پر اکتفا کرتے تھے، چار پانچ دن کے بعد انہوں نے قدرے ناگواری سے عرض کیا کہ میں چار دن سے آپ کے ساتھ ہوں اور آپ نے چار دنوں میں مجھے چار ہی حدیثیں سنائی ہیں۔ امام اوزاعیؒ غالباً یہی بات ان سے کہلوانا چاہتے تھے۔ انہوں نے حضرت جابرؓ کا وہ قصہ سنایا جس میں انہوں نے ایک اونٹ خرید اور پہلے دمشق جا کر ایک روایت کی تصدیق کی، پھر ایک دوسرے موقع پر سفر کر کے مصر گئے اور وہاں ایک دوسری روایت Verify کرائی۔ انہوں نے کہا کہ صحابہ کرامؓ ایک ایک روایت کے حصول کے لئے نہیں کیوں کہ روایت تو ان کو پہلے سے حاصل ہوتی تھی، محض صحابیؓ سے براہ راست سننے کے لئے ایک ایک اور دودو مہینے کا سفر اختیار کرتے تھے۔ تم چار دن میں چار احادیث کے ملنے پر ناخوش ہو، غالباً اس کام کی اہمیت ان کو جتنا مقصود تھا اس لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا اور ان کو یاد دلایا۔

ایک اور تابعی ہیں حضرت ابوعلی بغدادی الاسدی، ان کو پتہ چلا کہ یہ خراسان میں کوئی تابعی ہیں، خراسان بہت بڑا صوبہ سمجھا جاتا تھا، جس کی حدود موجودہ ایران میں مشہد سے لے کر پورے افغانستان کے شمالی حصہ اور وسط ایشیا کے جنوبی حصہ اور موجودہ تاجکستان کے حدود تک پھیلی ہوئی تھیں اور یہ پورا علاقہ خراسان کہلاتا تھا۔ آج وسط ایشیا میں جو علاقہ فارسی بان ہے یہ خراسان کہلاتا تھا۔ امام ابوعلی بغدادی کو یہ پتہ چلا کہ خراسان میں کسی صاحب کے پاس ایک حدیث ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے حضرت معاویہؓ کو ایک خط لکھا تھا اور اس میں یہ لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا سکھلائی ہے کہ لا الہ الا اللہ وحده له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد۔ انہوں نے کہا کہ یہ دعا رسول اللہ ﷺ نے مجھے سکھلائی تھی تم بھی پڑھا کرو۔ حضرت معاویہؓ سے پھر بقیہ

تابعین نے اس دعا کو یاد کیا۔ یہ روایت ان تابعی سے براہ راست سننے کی غرض سے انہوں نے بغداد سے خراسان کا طویل سفر اختیار کیا۔

ایسی روایات بھی ہیں جن میں دو صحابیؓ ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں، عموماً ایک صحابی رسول اللہ ﷺ سے روایت کر کے تابعین کو بتاتے ہیں، لیکن ایسی مثالیں بھی ہیں کہ ایک صحابہؓ نے دوسرے صحابیؓ سے حدیث روایت کی ہے اور یہ حدیث اس کی ایک مثال ہے کہ حضرت معاویہؓ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کو براہ راست ان تابعی کی زبان سے سننے کے لئے جنہوں نے حضرت معاویہؓ کی زبان مبارک سے سنا تھا، انہوں نے بغداد سے خراسان کا سفر اختیار کیا اور خراسان جا کر اس حدیث کا ایک واسطہ کم ہو گیا اور یہ حدیث انہوں نے اختیار کی۔

آپ نے حضرت زربن حیش کا نام سنا ہوگا، زربن حیش ایک مشہور تابعی ہیں۔ قراءت کے فن میں بہت بڑے امام ہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ وہ صحابی ہیں جن کو حضور ﷺ نے یہ اعزاز عطا فرمایا کہ آپ کے بارے میں یہ گواہی دی کہ اقرار انہم ابی میرے صحابہ میں سب سے اچھے قاری اور سب سے اچھا قرآن پڑھنے والے ابی بن کعبؓ ہیں۔ حضرت ابی بن کعبؓ قرآن فہمی اور قرآن خوانی میں سب صحابہ کرامؓ میں ممتاز تھے۔ جتنے قراءت اور تجوید کے سلسلے ہیں وہ سارے کے سارے یا اکثر و بیشتر حضرت ابی بن کعبؓ تک پہنچتے ہیں۔ جو بڑے بڑے قراء ہیں، جو قراء سبعہ کہلاتے ہیں ان میں سے بیشتر کی روایت حضرت ابی بن کعبؓ تک پہنچتی ہے۔ ان کے شاگردوں میں بڑا نمایاں نام حضرت زربن حیش کا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت کے زمانے میں کوفہ سے مدینہ منورہ آیا اور اس پورے سفر کا مقصد صرف حضرت ابی بن کعبؓ سے ملاقات اور دوسرے صحابہ کرامؓ کی زیارت تھی۔ و انما حملنی علی الافادة اور مجھے اس لمبے علمی سفر پر آمادہ کیا لقی ابی بن کعب۔ ابی بن کعبؓ کی ملاقات نے۔ اس کے علاوہ ہم پر کوئی مقصد نہیں تھا۔

حضرت ابو العالیہ جن کا ابھی میں نے ذکر کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ یعنی تابعی حضرات کسی شیخ حدیث سے ملاقات کے لئے کئی کئی روز کا سفر کر کے پہنچتے تھے یا تو کسی حدیث کی تحقیق کی خاطر یا سابقہ حدیث کی سند کو مزید بہتر بنانے کی خاطر، یا ایک نئے طریقے کا اضافہ کرنے کی خاطر یا کسی راوی کے کردار اور حافظہ کی تحقیق کی خاطر۔ سفر کرنے کے بعد جب ہم منزل پر پہنچتے تھے تو سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے تھے کہ ان کے یہاں نماز کا اہتمام کتنا ہے؟ اگر وہ نماز کا اہتمام مکمل طور پر کرتے تھے تو ہم وہاں ٹھہر کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور حدیث کے بارے میں جو سیکھنا ہوتا تھا وہ سیکھ لیتے تھے اور اگر یہ دیکھتے تھے کہ نماز میں کمزوری پائی جاتی ہے تو ہم اُلٹے پاؤں

واپس آجاتے تھے اور ان سے نہیں ملتے تھے اور ہمارا کہنا یہ ہوتا تھا کہ جو نماز کے بارے میں اہتمام نہیں اور نمازوں کو ضائع کرتا ہے وہ باقی چیزوں کو بھی ضائع کرتا ہوگا۔

ایک اور تابعی ہیں جن کا شمار غالباً صغار تابعین میں ہے، زید بن الحباب یا تبع تابعین میں سے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک روایت ملی جس کے بارے میں پتہ چلا کہ اس کو تین بزرگوں نے روایت کیا ہے۔ ایک روایت کے راوی کوفہ میں، دوسری روایت کے راوی مدینہ میں اور تیسری روایت کے راوی مصر میں ہیں۔

میں پہلے کوفہ گیا، وہاں شیخ سے مل کر اس کی تصدیق کی اور اس روایت کو حاصل کیا۔ اس کے بعد دوسرا سفر میں نے مدینہ منورہ کا اختیار کیا۔ مدینہ منورہ میں جو شیخ تھے ان سے اس روایت کو لیا اور وہاں سے مصر پہنچا تو معلوم ہوا کہ جن سے ملنے آیا ہوں ان سے ملاقات کے اوقات مقرر ہیں اور ان مقرر اوقات کے علاوہ وہ کسی سے نہیں ملتے۔ فجلست علی بابہ میں ان کے دروازے پر بیٹھا رہا، جب وہ باہر نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ ایک بدودروازے پر بیٹھا ہوا ہے۔ پوچھا کس لئے آئے ہو؟ بتایا کہ اس غرض سے آیا ہوں۔ انہوں نے حدیث پڑھ کر بتائی اور حدیث کے الفاظ کو Verify کیا کہ یہی الفاظ تھے: فرق ما بین صیامنا و صیام اهل الكتاب اكلة السحر۔ کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں ایک اہم فرق ہے وہ سحری کا ہے۔ اہل کتاب جب روزہ رکھتے ہیں تو سحری نہیں کھاتے اور ہم جب روزہ رکھتے ہیں تو سحری کھا کر رکھتے ہیں۔

اس روایت کے ان الفاظ کے تحقق اور یقین کے لئے انہوں نے تین بڑے شہروں کا سفر اختیار کیا، اس میں کتنا وقت لگا ہوگا، کتنے پیسے لگے ہوں گے، کتنے وسائل خرچ ہوئے ہوں گے، اس کا ہم صرف اندازہ ہی کر سکتے ہیں، یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

افسوس کہ کسی محدث نے اپنا حساب کتاب لکھ کے نہیں چھوڑا، ورنہ ہمیں شاید یہ بھی پتہ نہ چلتا کہ راستے میں کتنا خرچ ہوا، کتنی منزلیں آئیں اور کہاں کہاں ٹھہرے؟ وہ اس کام کو صرف اللہ کے لئے کرنا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے شاید اپنا حساب نہیں لکھا۔



## فضائل شبِ براءت

حضرت مولانا شفیق الرحمن درخواستی

حَمِّ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ. إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ. فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ. رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ. (سورہ دخان: ۱۷)

ذوق رکھ سنت گرامی سے ہے شرف آپ کی غلامی سے  
جو کوئی تابع رسول نہیں لاکھ طاعت کرے قبول نہیں  
پہلے تلاوت کردہ آیت اور حدیث کا مختصر مفہوم سمجھ لیں۔

### آیت کا مفہوم

میں نے سورہ دخان سے پہلے رکوع کی چھ آیات تلاوت کی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت حروف مقطعات پر مشتمل ہے جن کی مراد صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ دوسری آیت وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ہے۔ تیسری آیت إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنْذِرِينَ ہے۔ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ قسم ہے۔ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ جواب قسم ہے یعنی قسم ہے اس واضح اور کھلی کتاب کی کہ ہم نے برکت والی رات میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر قرآن کو اتارا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ہم بندوں کو خیر و شر سے مطلع کریں کہ ان کاموں سے اللہ راضی ہوتا ہے اور ان سے ناراض ہوتا ہے، ان دونوں آیتوں میں لیلۃ مبارکہ کی فضیلت بھی ہے کہ قرآن اس میں اتارا اور اس میں قرآن اتارنے کی حکمت بھی یعنی خیر و شر سے مطلع کرنا۔

چوتھی آیت كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ۔ پانچویں آیت کا ایک حصہ أَمْرًا مِنْ عِنْدِنَا ہے ان دونوں میں لیلۃ مبارکہ کی دوسری فضیلت ہے کہ اس رات میں ہر حکمت والا کام اور محکم کام ہماری طرف سے فیصلہ کر کے فرشتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور ان فرشتوں کو ہم ہی بھیجتے ہیں یعنی تمام سال کے فیصلے اللہ کے حکم سے صادر کر کے فرشتوں کے حوالے کئے جاتے ہیں۔ پانچویں آیت کا دوسرا حصہ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ہے۔ چھٹی آیت رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ہے۔

ان میں حضور ﷺ کی رسالت کا ذکر ہے اور نزول قرآن کی دوسری حکمت بھی ہے کہ آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا، یہ آپ کے رب کی رحمت سے ہے، اس لئے رسول بنایا تاکہ اس قرآن کے ذریعہ آپ لوگوں کو ایمان و اطاعت پر خوشخبری سنائیں اور نافرمانی پر ڈرائیں۔

اب قرآن کا نزول ہوا، نبی کو رسول بنا کر بھیجا تو جو لوگ ان کے ماننے والے یا نہ ماننے والے اور ان کے مطابق عمل کرنے والے یا نہ کرنے والے ہیں، اللہ ان سب کے اقوال کو سننے والا اور اعمال کو جاننے والا ہے، ان کے مطابق جزاء و سزا دے گا۔

**فائدہ :** اکثر مفسرین نے لیلۃ المبارکہ سے مراد لیلۃ القدر لی ہے جو رمضان کے آخری عشرہ میں آتی ہے مگر بعض مفسرین نے لیلۃ مبارکہ سے مراد شعبان کی پندرہویں رات یعنی شب براءت مراد لی ہے تو اس قول پر اس آیت میں شب براءت کی فضیلت ہوگی مگر اس پر دو اشکال ہیں۔

**پہلا اشکال :** کہ آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ سے صراحتاً یہ ثابت ہے کہ نزول قرآن رمضان میں ہوا اور لیلۃ القدر میں ہوا، جیسے شہر رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ اور اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ اور حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ قرآن مجید اور کتب سماویہ رمضان میں نازل ہوئیں تو پھر یہ کیسے صحیح ہوگا کہ لیلۃ مبارکہ سے مراد شب براءت ہے کیوں کہ شب براءت میں تو نزول قرآن نہیں ہوا، تو پھر اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبَارَكَةٍ کیسے ہوگا۔

**دوسرا اشکال :** حضرت ابن عباسؓ و قتادہ و مجاہد و حسن سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آئندہ سال کے تمام فیصلے لیلۃ القدر میں ہوتے ہیں تو پھر یہاں شب براءت مراد لینا کیسے صحیح ہے؟ شب براءت سے متعلق آجال و ارزاق کی روایات مرسل و غیر معتمد ہیں، محقق قول لیلۃ القدر کا ہے اور شب براءت کا قول صحیح مان لیں تو پھر یہ توجیہ ہوگی کہ اجمالی فیصلے شب براءت میں ہوتے ہیں اور ان کی تفصیل لیلۃ القدر میں لکھائی جاتی ہیں، تطبیق یوں ہوگی کہ شب براءت میں یہ فیصلے لکھے جاتے ہیں اور لیلۃ القدر میں فرشتوں کے حوالے کئے جاتے ہیں۔ بہر حال لیلۃ مبارکہ سے مراد شب براءت لینا غیر محقق ہے کیوں کہ اعمال کے لئے مشائخ و سلف صالحین نے ضعیف روایات پر عمل کیا تو بعض مفسرین کے قول پر اس آیت کو ذکر کر دیا ہے۔

### حدیث کا مفہوم

حضور ﷺ نے فرمایا کہ شعبان کی پندرہویں رات عظمت والی رات ہے، جب یہ آئے تو رات کو قیام کرو، اللہ کی عبادت کرو، قرآن کی تلاوت کرو اور دن کو روزہ رکھو کیوں کہ جب پندرہویں کی رات سورج غروب ہوتا ہے

تو اللہ تعالیٰ کی تجلی و انوارات کا آسمان دنیا پر نزول ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے ندا آتی ہے کہ کوئی اپنے گناہوں سے معافی مانگنے والا ہے کہ میں اس کے گناہ معاف کر دوں اور کوئی روزی مانگنے والا ہے کہ میں اس کو رزق عطا کروں اور کوئی مصائب و تکالیف میں مبتلا ہے جو مجھ سے مانگے میں اس کی مصیبت تکلیف دور کر دوں، اسی طرح صبح صادق تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلے رہتے ہیں جو مانگنے والے مانگتے ہیں رب عطا فرماتے ہیں۔

### ماہ شعبان کی فضیلت

شعبان کا مہینہ بھی عظمت و فضیلت والا ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُ مِنْ شَهْرِ أَكْثَرَ مِنْ شَعْبَانَ فَإِنَّهُ كَانَ يَصُومُ شَعْبَانَ كُلَّهُ آپ اکثر شعبان کے مہینے کے پورے روزے رکھتے تھے اور کبھی پورے مہینہ کے نہ رکھتے تھے، دوسرے مہینوں کی نسبت شعبان میں زیادہ روزے رکھتے، آپ کو شعبان کے روزے زیادہ محبوب تھے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں اتنے روزے نہیں رکھتے جتنے شعبان میں روزے رکھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا ہو شهر ترفع فيه الاعمال الى رب العالمين و احب ان يرفع عملي و اني صائم اس مہینہ میں لوگوں کے اعمال اللہ کے یہاں پیش کئے جاتے ہیں اور میں بھی دوست رکھتا ہوں کہ میرے اعمال اللہ کے یہاں اس حال میں پیش ہوں کہ میں روزہ کے حال میں ہوں۔

شیخ عبدالقادر گیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ شعبان کے پانچ حروف ہیں ”ش“ سے اشارہ ”شرف“ کی طرف ہے، اگر شرافت حاصل کرنی ہے تو اس ماہ میں روزے رکھو، عبادت کرو۔ ”ع“ سے اشارہ ”علو“ کی طرف ہے، اس مہینہ میں عبادت سے بلندی حاصل ہوتی۔ ”ب“ سے اشارہ ”بر“ کی طرف ہے کہ یہ مہینہ احسان اور بھلائی کرنے کا ہے۔ ”الف“ سے اشارہ ”الفت“ کی طرف ہے، یہ مہینہ الفت و محبت کرنے کا ہے۔ ”ن“ سے اشارہ ”نور“ کی طرف ہے، اس مہینہ میں عبادت کرنا خصوصی نور کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ کیوں کہ اس مہینہ میں نیکیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، گناہوں سے معافی کا اعلان ہو جاتا ہے، بندہ عبادت کر کے روزے رکھ کر اللہ کا مقرب بنتا ہے، شعبان شعب سے ماخوذ ہے، جس کا معنی کثرت ہے تو چوں کہ اس مہینہ میں بے شمار نیکیاں تقسیم کی جاتی ہیں اس لئے اس کو شعبان کہتے ہیں۔

### شب براءت کے فضائل

شب براءت کے مختلف نام ہیں:

(۱) **لیلۃ البراءت** : کیوں کہ اس میں بہت سے لوگوں کو جہنم سے بری کیا جاتا ہے۔

(۲) **لیلۃ المغفرت** : کیوں کہ اس رات میں بہت سے گناہگاروں کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔

(۳) **لیلۃ الرضوان** : کیوں کہ یہ رات اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

(۴) **لیلۃ البرکت** : کیوں کہ یہ برکت والی رات ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پانی کو مبارک کہا ہے وَ أَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبَارَكًا کہ ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا ہے جس سے پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور مردہ زمین زندہ ہوتی ہے اور کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوتی ہیں جس سے ہر چیز میں زندگی آجاتی ہے جیسا کہ فرمایا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ تمام چیزوں کو پانی سے زندگی دی ہے۔ اسی طرح اللہ نے زیتون کے درخت کو مبارک کہا ہے شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَا تَمُوتُ کا درخت برکت والا ہے جو غذا کا فائدہ بھی دیتا ہے اور روشنی کے حاصل کرنے کا فائدہ بھی دیتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو بھی مبارک کہا ہے إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا کہ کعبہ برکت والا گھر ہے جو اس میں آگیا وہ گناہوں سے دھل کر مبارک ہو گیا، وہ امن میں آگیا۔

اسی طرح اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مبارک کہا ہے جس کو حضرت عیسیٰ نے بیان کیا وَ جَعَلْنِي مُبَارَكًا کہ اللہ نے مجھے برکت والا بنایا، یہ حضرت عیسیٰ کی برکت تھی کہ حضرت مریم کے لئے اللہ نے خشک کھجور کے درخت کو پھل دینے والا بنادیا اور اس کے نیچے پانی کا چشمہ جاری کر دیا اور اللہ نے کہا کہ مریم غم نہ کر قَدْ جَعَلَ رَبُّكَ تَحْتِكَ سَرِيًّا تیرے رب نے تیرے نیچے چشمے کا پانی جاری کر دیا وَ هَزَيْ إِلَيْكَ بِجَذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطُ عَلَيْكَ رُطْبًا جَنِيًّا اور کھجور کے تنے کو ہلاتیرے اوپر کھجور گرے گی، فَكُلِي وَاشْرَبِي وَفَرِحِي عَيْنًا اب کھاتی پیتی رہ اور بچہ کا دیدار کر کے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتی رہ۔

اسی طرح اللہ نے شب براءت کو لیلۃ مبارکہ کہا جو اس رات میں عبادت میں مشغول ہوگا وہ گناہوں سے پاک ہوگا، اس دل کو روحانی زندگی اور تازگی ملے گی، اس کو روحانی غذا میسر ہوگی، اس کو ایمانی اخلاص والی روشنی حاصل ہوگی، وہ گناہوں سے دھل جائے گا، اس کو امن حاصل ہوگا، اس کے لئے ظاہری رزق، روزی میں فراخی ہوگی، اللہ اس کو اپنا بنالے گا۔

۵- **لیلۃ القضاء** : کیوں کہ اس رات میں سارے سال کے فیصلے ہوتے ہیں جو بچے پیدا ہونے والے

ہیں، جو مرنے والے ہیں ان کے نام لکھے جاتے ہیں، مخلوق کے لئے رزق کی تقسیم لکھی جاتی ہے، سب فیصلے ہوتے ہیں۔

۶- **لیلۃ الرفع** : کیوں کہ اس رات میں سب کے اعمال، افعال آسمانوں کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔



## شب براءت میں حضور ﷺ کا پہلا عمل

حضور ﷺ رات کو عبادت کرتے، دن کو روزہ رکھتے۔

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت ہے قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّى مَا طَالَ السُّجُودَ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ قَدْ قَبِضَ. اس رات میں حضور ﷺ نے ساری رات عبادت میں گزار دی، کبھی قیام میں، کبھی رکوع میں، کبھی سجدہ میں، پھر آپ نے اتنا بہت لمبا سجدہ کیا کہ میں نے گمان کیا کہ آپ کا انتقال ہو گیا، تو میں نے آپ کے قدم کے انگوٹھے کو حرکت دی تو آپ نے حرکت کی تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ زندہ ہیں، میں نے کان لگایا، پیغمبر کی زبان فیض ترجمان پر دعاء کے یہ کلمات تھے، آپ دعا مانگ رہے تھے:

أَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ. يَا اللَّهُ! میں تیری معافی کے ذریعے تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔ و  
أَعُوذُ بِكَ مِنْ سَخَطِكَ. اور تیری رحمت کے ذریعے تیری سزا سے پناہ چاہتا ہوں۔ و أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ  
سَخَطِكَ. اور تیری رضا کے ذریعے تیری ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں۔ و أَعُوذُ بِكَ مِنْكَ. اور میں تجھ ہی سے  
تیرے عذاب بے پناہ مانگتا ہوں۔ جَلْ ثَنَائِكَ لَا أَحْصِي ثَنَاءَ عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَىٰ نَفْسِكَ. تو  
بڑی بزرگی والا ہے، میں تیری شایان شان تیری حمد و ثنا نہیں کر سکتا، تو ہی اپنی ثنایاں کر سکتا ہے اور اپنی تعریفیں تو ہی  
جانتا ہے تو ایسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی حمد و ثنا کی ہے۔ حضور ﷺ نے سر سجدہ سے اٹھایا، فرمایا: عائشہ! اظننت ان  
النبي صلى الله عليه وسلم قد خان بك کیا تو نے یہ گمان کیا کہ اللہ کے رسول نے خیانت کی، تیری حق تلفی  
کی، کسی دوسری بیوی کے گھر چلے گئے، حضرت عائشہؓ نے کہا لا واللہ یا رسول اللہ میرا یہ گمان نہ تھا، مگر میں نے  
سجدہ کے لمبے ہونے کی وجہ سے سمجھا کہ آپ وفات پا گئے اس لئے میں نے آپ کے پاؤں کو ہاتھ لگایا، پھر حضور  
ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! تجھے پتہ ہے یہ رات کیسی ہے؟ میں نے کہا اللہ ورسولہ! علم تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ  
اس رات میں اللہ تعالیٰ معافی مانگنے والوں کو معاف کرتے ہیں اور رحمت مانگنے والوں کو رحمت عطا فرماتے ہیں۔

## شب براءت میں حضور ﷺ کا دوسرا عمل

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں قَامَ رَسُولُ اللَّهِ رَوِيداً حُضُوراً آهْتَهُ سَاعَةٌ وَفُتِحَ الْبَابُ رَوِيداً اور آہستہ  
سے دروازہ کھولا وَاغْلَقَ الْبَابُ رَوِيداً، پھر آہستہ سے دروازہ بند کیا۔ میرے دل میں خیال تھا کہ آپ کسی دوسری  
بیوی کے پاس جائیں گے تو کنت فی اثر الرسول میں آپ کے پیچھے گئی فخر جت اطلبہ آپ کو تلاش کیا فاذا  
هو بالبقيع رافع راسه الى السماء تو میں نے آپ کو جنت البقيع میں دیکھا، آپ کا سرمبارک آسمان کی طرف  
تھا فسمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اللهم اغفر لاهل بقيع الغرقد تو آپ یہ دعا

مانگ رہے تھے کہ یا اللہ اس قبرستان والوں کو بخش دے تو پیغمبرؐ نے اس رات قبرستان جا کر اہل قبور کے لئے دعا مانگی تم بھی اس رات میں تمام مسلمانوں کی مغفرت کے لئے دعا مانگو، اگر قبرستان جاسکتے ہو تو جاؤ، دعا مانگو، پھر حضور ﷺ نے فرمایا عائشہؓ اکنت تخافین ان یحیف اللہ علیک ورسولہ کیا تو نے سمجھا کہ اللہ ورسولؐ تجھ پر ظلم کریں گے۔ حضرت عائشہؓ نے کہا میں یہ نہیں سوچ سکتی، البتہ میرا گمان تھا کہ آپ کسی بیوی کے پاس جائیں گے، پھر حضور ﷺ نے فرمایا عائشہؓ! یہ ایسی رات ہے کہ جس میں اللہ کی رحمت کی تجلی ہوتی ہے اور اللہ بنو کلب کے قبیلہ کی بکریوں کے بالوں کی تعداد گناہگاروں کو معاف کرتے ہیں۔

## غافل انسان کا عمل

پیغمبرؐ نے شبِ برأت اللہ کی عبادت میں گزار دی مگر نام نہاد عاشق رسول کہنے والوں نے یہ رات آتش بازی میں گزار دی، رات تو دین و دنیا کی سرفرازی کی تھی اس نے آتش بازی کی بنالی، حکمران، امیر، غریب، بڑا، چھوٹا، تاجر، غیر تاجر، پڑھا لکھا، ان پڑھ سب نے اپنے گھر میں، محلہ میں، شہر میں، پورے ملک میں اس بربادی کی رسم پر لاکھوں، کروڑوں روپے خرچ کر دیئے، کاش کہ یہ رقم غریبوں، مسکینوں، محتاجوں، یتیموں، یتیموں، مساجد، دینی مدارس، دینی کاموں، رفاہی کاموں پر خرچ ہوتی مگر

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینہ کے داغ سے اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراگ سے اس آتش بازی میں دنیا کا نقصان ہے، کئی گھر آگ سے جل کر ویران ہو گئے، ملک و ملت کے خون پسینے کی کمانی آگ کا دھواں بن گئی اور اس آتش بازی میں دین کا نقصان ہے کیوں کہ اس میں ناراضگی ربِ رحمن ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تُسْرِفُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ فضول خرچی نہ کرو، اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسری جگہ فرمایا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی

اور دوست ہیں۔

آسمانوں سے خدا کی رحمت کا نزول ہوتا ہے، یہ نیچے سے پٹانے چلا رہے ہیں، آگ جلا رہے ہیں کہ یہ آگ اوپر جائے ہم خدا کی رحمت کی توجہ نہیں چاہتے، افسوس نور کی رات کو نار سے بھر دیا، شیطان کو خوش کر دیا کہ تجھے نار سے پیدا کیا گیا، ہم بھی ناری بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس رسمِ بد سے محفوظ فرمائے۔

پیغمبرؐ نے کہا کہ عائشہؓ! یہ رات اللہ کے انوارات کے نزول کی ہے، رات تو تھی جلوے کی مگر سامریوں نے یہ رات حلوے کی بنادی اور من گھڑت حدیث بھی بنادی کہ غزوہٗ احد میں حضور ﷺ کے دانت ٹوٹ گئے تھے، تب

آپ کھانا نہیں کھا سکتے تھے تو آپ کے لئے اس دن رات کو حلوہ بنایا گیا اور تکلیف بھی ختم ہو گئی، اب جاہل و اعظموں نے ترغیب دینی شروع کی کہ اس دن رات خوب حلوے پکاؤ، کھاؤ، کھلاؤ، یہ بھی شیطان نے سبق پڑھایا کہ دن رات حلوے کھاؤ، تمہارے معدہ پر ثقیل غذا کا بوجھ ہوگا، پھر دن رات سوئے رہیں، خدا کی رحمتوں سے محروم رہیں۔ پیغمبرؐ نے اس رات اللہ کا سجدہ کیا، اس سے امت کو سبق ملا کہ صرف اللہ کا سجدہ کرو، پیغمبرؐ نے اس رات کو اللہ کو پکارا، رب سے مانگا، اس سے امت کو سبق ملا کہ صرف اللہ کو پکارو اور اسی سے مانگو۔ پیغمبرؐ نے اس رات قبرستان والوں کے لئے اللہ سے دعا کی، اس سے امت کو سبق ملا کہ قبرستان جاؤ مگر ان کا سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کو پکارنا، نہ ان کی نذر نیاز بلکہ ان کے لئے اللہ سے دعاء مغفرت کرو۔ پیغمبرؐ نے اس رات لمبا سجدہ کیا اس سے امت کو سبق ملا کہ تم بھی اس رات اس کو راضی کرنے کے لئے لمبے لمبے سجدے کرو، روٹھار ب راضی ہو جائے گا۔ پیغمبرؐ نے اپنی امت کو بتایا کہ یہ رات رحمت، مغفرت، برکت، عنایت کی ہے، تم اپنے دامنوں کو رحمت خداوندی سے بھر لو۔

پیغمبرؐ اس رات بہت روئے، اس سے امت کو سبق ملا کہ اس رات میں روننا تمہارا کام، پھر تمہارے گناہوں کو دھونا رب کا کام ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جب بچہ روئے تو ماں کے پستان میں دودھ جوش مارتا ہے، باہر اترتا ہے اسی طرح جب گناہگار روتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش مارتی ہے اور اترتی ہے تو اس رحمت سے بندہ کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

### حضرت عائشہؓ کی عظمت

حضرت عائشہؓ نے شبِ برأت میں پیغمبرؐ کا عبادت والا عمل امت کو بتایا، حضرت عائشہؓ نے دن کو پیغمبرؐ کا روزہ رکھنا امت کو بتایا، حضرت عائشہؓ نے شبِ برأت میں پیغمبرؐ کی دعا کے کلمات امت کو بتائے، حضرت عائشہؓ نے نبی کے جنت البقیع میں جانے کا معمول امت کو بتایا، حضرت عائشہؓ نے نبی کا اہل قبرستان کے لئے دعا کرنے کا معمول امت کو بتایا، قربان جاؤں عائشہؓ میری عظمت پر کہ تو شبِ برأت میں پیغمبرؐ کے احوال افعال و اعمال کی گواہ بنی، نبی بھی شان والا، نبی کی بیوی بھی شان والی اور شبِ برأت بھی شان والی۔

شبِ برأت میں سات غلط کاریوں کی بخشش نہ ہوگی

(۱) مشرک کی بخشش نہ ہوگی۔

(۲) بیہوشی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰی مُشْرِكٍ اللّٰهُ تعالیٰ مشرک کی طرف نظر رحمت نہ فرمائیں گے، ابن ماجہ کے الفاظ ہیں فَيَغْفِرُ لَجَمِيعِ خَلْقِهِ اِلَّا مُشْرِكًا اللّٰهُ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو

بخش دے گا، مگر مشرک کو نہ بخشے گا، شرک یہی ہے کہ اللہ کے حقوق بندوں کو دیئے جائیں، زندگی دینا اللہ کا حق ہے، نفع نقصان دینا اللہ کا حق ہے، بیٹا بیٹی دینا اللہ کا حق ہے، نذر و نیاز صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، عزت ذلت دینا اللہ کا حق ہے، جو انسان دوسرے کو زندگی و موت کا مالک سمجھے دوسرے کو نفع نقصان، عزت ذلت کا مالک سمجھے، دوسرے کو بیٹا بیٹی دینے والا سمجھے، دوسرے کی نذر منت دے وہ مشرک ہے، اس کے لئے مغفرت بخشش نہ ہوگی، شرک سب سے بڑی گندی نجاست ہے اور مشرک نجس ہے۔ ارشاد فرمایا اِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ کہ مشرک پلید ہے، شرک بہت بڑا ظلم ہے، ارشاد فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ شرک بڑا ظلم و نا انصافی ہے، مشرک کو خدا نہ بخشے گا، ارشاد فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ مشرک کے لئے اللہ نے جنت کو حرام کر دیا، ارشاد فرمایا وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ شرک سے تمام نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں، ارشاد فرمایا لَئِنْ اَشْرَكَتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ یعنی اے نبی! علی سبیل الفرض والحال آپ سے شرک کا صدور ہو تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

حدیث میں آتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں شفاعت کروں، مگر انی سائل انشاء اللہ لمن لا یشرک باللہ شیئا یہ سفارش اس کے لئے ہوگی جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریگا اس لئے اس رحمت برکت مغفرت والی رات میں مشرک جیسے پلید کی بخشش نہ ہوتی۔

(۲) وَلَا الٰی مَشْحَانِ بدعتی کی بخشش نہ ہوگی جو بدعات، رسومات پھیلا کر اسلام کی بنیادیں گراتا ہے اور بدعات کو رواج دیتا ہے۔

(۳) ولا الی حاسد مومن سے حسد کرنے والے، کینہ بغض رکھنے والے پر بھی اللہ نظر رحمت نہیں کرتے، اس کی مغفرت نہیں ہوتی، جب تک دل کو اس سے پاک نہ کرے۔

(۴) ولا الی قاطع رحمہ۔ قطع رحمی کرنے والا اپنے اقرباء ورشتہ داروں سے غلط سلوک کرنے والا، اس کی طرف بھی اللہ رحمت کی نظر نہیں کرتے اور نہ اس کی مغفرت ہوتی ہے جب تک اپنی اس عادت سے باز نہ آئے۔

(۵) ولا الیٰ مسبیل متکبر جو تکبر سے اپنا پا جامہ اپنی چادر ٹخنوں سے نیچے کرتا ہے اس کی طرف بھی اللہ رحمت نہیں کرتے جب تک اس سے توبہ نہ کرے۔

(۶) وَلَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ عَاقِبَةُ ٱلَّذِينَ هُمْ يَأْكُلُونَ ٱلْأَنفُسَ ٱلَّذِينَ هُمْ كَفَرُوا۟ ۚ هَٰذَا نَصِيبُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ۖ هُمْ فِي ٱلْأَنفُسِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ هَاكِنِينَ ﴿٦﴾

جنتك و نارك ماں باپ کی رضا میں جنت ہے، ان کی ناراضگی میں جہنم ہے اور فرمایا رَضِيَ اللّٰهُ فِي رَضٰى الوالدين و سخط اللّٰهُ فى سخط الوالدين والدين راضی تو اللہ بھی راضی ہوگا اور والدین کو ناراض کیا تو اللہ بھی ناراض ہوگا۔

والدین کی نافرمانی نہ کرو بلکہ اس رات میں بھی ان کے لئے دعا کرو اللھم ارحمھما کما ربینی صغیراً یا اللہ جنہوں نے مجھے بچپن میں پالا ان پر خصوصی رحمت فرما دے اغفر لی ولوالدی یا اللہ مجھے بھی بخش میرے ماں باپ کو بھی بخش۔

(۷) ولا الی مدمن خمر جو شراب کا عادی ہے وہ بھی اس رات خدا کی رحمت سے محروم ہوتا ہے، اس کی بخشش بھی نہیں ہوتی، جب تک اس سے توبہ نہ کرے۔

### شب برأت کے خصوصی وظائف

**پہلا وظیفہ :** صلوٰۃ التسلیم کا اہتمام کریں۔ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ چار رکعت کی نماز ہے، ہر رکعت میں پچھتر مرتبہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنا ہے، چاروں رکعت میں تین سو مرتبہ ہو جائے گا، وہ اسی طرح پڑھتا ہے کہ ہر رکعت میں فاتحہ و سورت کے بعد پندرہ مرتبہ، پھر رکوع میں سبحان ربی العظیم کے بعد دس مرتبہ، پھر رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا للک الحمد کہہ کر دس مرتبہ، پھر سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کے بعد دس مرتبہ، پھر سجدے سے سر اٹھا کر بیٹھ کر دس مرتبہ، پھر دوسری رکعت میں اسی طرح کریں، جس رکعت میں قعدہ میں التحيات پڑھیں گے تو پہلے دس مرتبہ یہ کلمہ پڑھیں، پھر التحيات پڑھیں، سلام پھیریں اور آنکھوں سے آنسو بہا کر رب سے معافی مانگیں، وہ ستر ہے، وہ غفار ہے، ضرور تم کو گناہوں سے پاک کر دے گا۔

**دوسرا وظیفہ :** غنیۃ الطالبین میں حضرت حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ مجھے پیغمبر علیہ السلام کے تیس صحابہؓ نے ذکر کیا ہے کہ اس رات میں صلوٰۃ الخیر پڑھے، جس کی فضیلت یہ ہے کہ پڑھنے والے کی طرف اللہ ستر بار نظر رحمت فرماتے ہیں اور ہر بار دیکھتے ہیں تو بہتر حاجتیں پوری فرماتے ہیں، ادنیٰ حاجت یہ ہے کہ اللہ اس کے گناہوں کی مغفرت فرماتے ہیں، صلوٰۃ الخیر کا طریقہ یہ ہے کہ سورکعات میں ایک ہزار مرتبہ سورہ اخلاص پڑھیں، ہر رکعت میں دس دفعہ سورہ اخلاص پڑھے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان راتوں میں اپنا قرب نصیب فرمائے۔ آمین



## حضرت مولانا مفتی ظفر الدین صاحب مفتاحیؒ

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

استاذ حدیث و نائب ناظم تعلیمات جامعہ ہذا

مارچ کی ۳۱ ویں تاریخ تھی، دارالعلوم وقف دیوبند کے احاطے میں غلہ اسکیم کا جلسہ منعقد تھا، اسی جلسے میں شرکت کے لیے وہاں موجود تھا، بالکل خالی الذہن، جلسہ حسب روایت چل رہا تھا، اسی دوران کہ اب ”حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مثالی شخصیت“ کی رسم اجراء ہوگی، اس کتاب کے مصنف مولانا احمد سجاد قاسمی ہیں، یہ کتاب صد سالہ اجلاس کے موقع پر لکھی گئی تھی اور اس وقت چھپی بھی تھی، لیکن اب نایاب تھی، مصنف کتاب آفتاب فقہ حضرت مولانا مفتی ظفر الدین صاحب ”رحمۃ اللہ علیہ“ کے صاحب زادے ہیں، میں چونکا کہ اناؤنسر صاحب کیا بول رہے ہیں، وہ ہوش میں بھی ہیں یا نہیں، دو تین ثانیے کے بعد وہ خود ہی بولے کہ افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج ہی وہ مرحوم ہو گئے ہیں، پہلے صرف چونکا ہی تھا، اب بھونچکا رہ گیا، بجلی کی چکا چوندیاں اور اجلاس کی رنگینیاں کوئی کام نہ آسکیں، آنکھوں کے سامنے جو اندھیرا چھایا تھا اس کی سنگینی کچھ ایسی ہی تھی، غم و اندوہ کے ساتھ رات بسر ہوئی، صبح ہوئی تو مرحوم کی یادیں تھیں اور صدقات کے سائے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کے نام و کام سے آشنا پہلے سے تھا اور اس وقت سے جب کہ زلف نے پریشانی کا خواب بھی نہ دیکھا ہوگا، استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد ابوبکر قاسمی مفتی و استاذ مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھر وارہ (درجہ نگار) کے کمرے میں ایک کتاب دیکھی، جس کا نام تھا ”حیات مولانا گیلانی“، نئی کتابوں کو اٹھنے پلٹنے کا شوق بچپن سے رہا ہے، وہ کتاب پڑھی تو معلوم ہوا کہ اپنے عہد کے ایک صاحب طرز ادیب اور اردو زبان و ادب میں علمائے دیوبند کے نمائندہ حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی سوانح ہے، جو مفتی ظفر الدین مفتاحی نامی کسی عالم کے قلم سے ہے، شعور کی نمود ہی کا دور تھا، ابھی اس کی چٹنگی کا کوئی سوال نہ تھا، لیکن محسوس ہوا کہ صاحب کتاب نے صاحب سوانح کو جس رنگ میں پیش کیا ہے، وہ بڑا جاذب اور گہرا رنگ ہے، اس میں سہل نگاری کے ساتھ سحر طرازی بھی ہے، عقیدت و محبت کی چمن آرائی بھی ہے، معلومات کی فراوانی بھی ہے، شیریں زبانی کے دلکش

نمونے بھی ہیں، کتاب کی عمارت جن بنیادوں پر کھڑی ہے وہ درحقیقت مولانا گیلانی کے تحریری ترشحات ہیں، ان ترشحات کے ساتھ مصنف کی پیوندکاری اتنی دل کشا معلوم ہوئی کہ میں نہ صرف مصنف کی قلمی بانگین کا معتقد ہوا بلکہ ناویدہ طور پر ان کی اہم شخصیت کا علمی مرید بھی ہو گیا۔

ان کی اس کاوش کے بعد ذہن نے ان کی شخصیت کا جو خاکہ تراشا اس میں ہر طرح کا رنگ تھا، علم و فہم بھی، رعب و داب بھی، جلال و جمال بھی، صدق و صفا بھی، لیکن ۱۹۹۶ء میں بصیغہ طالب علمی جب دارالعلوم پہنچا اور ان کی پہلی بار زیارت ہوئی، تو یقین ہی نہیں آیا کہ مفتی ظفر الدین مفتاحی نامی عبقری روح جسم کے جس قفص عنصری میں بسیرا کرتی ہے وہ اس شان اور اتنی سادگی کا پیکر ہو سکتا ہے، ایسا لگتا تھا کہ جس خاکی تن پر مفتی مذکور کا اطلاق ہوتا ہے اس کا حقیقت سے کچھ لینا دینا نہیں ہے جو کچھ ہے سب مجاز ہے۔

تراعب علم و کمال تھا جو ہمیشہ صیغہ راز میں ☆ کوئی کم نظر نہ سمجھ سکا کہ ہے کیا لباس مجاز میں (عزیز ناصری)

مفتی صاحب کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت رہی، ۷ مارچ ۱۹۲۶ء مطابق ۲۱ شعبان ۱۳۴۴ھ میں صوبہ بہار میں واقع ضلع دربھنگہ کے ایک قصبہ پورہ نوڈیہ میں انہوں نے آنکھیں کھولیں، تین چار سال کی عمر ہوئی کہ مکتب کی آمد و رفت انھوں نے شروع فرمادی، پانچ سال کے ہوئے تو گاؤں سے دور بہت دور اپنے چچا زاد بھائی حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب سابق امیر شریعت خامس بہار واڑیہ کی معیت میں مدرسہ محمودیہ راج پور ترائی نیپال کے لیے رخت سفر باندھا، مولانا عبدالرحمن صاحب اس مدرسے کے صدر المدرسین تھے، غور کیجیے، اتنی کم سنی میں اقامتی ادارہ میں رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے، ایک کم سن بچہ اس وقت خود کو غریب الدیار سمجھتا ہے، لیکن انھوں نے دل جمعی کے ساتھ پڑھا اور اس وقت تک منہمک رہے جب تک انھوں نے اپنی طالب علمی کا زمانہ ختم نہیں کر لیا، اپنی خودنوشت سوانح ”زندگی کا علمی سفر“ میں انھوں نے لکھا ہے کہ فراغت کے بعد خیال آیا کہ اب آرام کرنے کا موقع ملے گا لیکن زندگی کے دوسرے جھیلے کسی کو کب چھوڑتے ہیں، پھر انھوں نے اپنی جدوجہد بھری زندگی کی جو تفصیلات پیش کی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی سنگریزے کو ہیرا بننے میں صرف سال دو سال کافی نہیں ایک عرصہ دراز درکار ہوتا ہے، ہر طرح کی ٹھوکریں کھانے اور چیلنج قبول کرنے کے بعد ہی کامیابی کی منزل ہاتھ آتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے  
بہت مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ وری پیدا

## تعلیم و تربیت

اولاد کی تربیت میں والدین کی تمنا اور ان کی کوشش بڑی زوداثر ہوتی ہے، مفتی صاحب کے والد محترم منشی

شمس الدین صاحب کوئی دینی تعلیم یافتہ نہ تھے، ان کے پاس جو تعلیم تھی وہ عصری تھی، اس لیے وہ ریلوے کے ملازم تھے البتہ ان کی خواہش یہ تھی کہ ان کا بچہ عالم دین بنے، اس مقصد کے تحت انھوں نے اپنے بچے کو گاؤں کے مکتب میں بٹھایا جہاں میاں جی محمد یوسف صاحب پڑھاتے تھے، میاں جی نے مفتی صاحب کو ہندی، پہاڑے، قواعد بغدادی پھر پارہ عم پڑھایا، پانچ سال کی عمر ہوئی تو مدرسہ محمودیہ راج پور ترائی نیپال حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کے ساتھ تشریف لے گئے، یہاں پارہ عم سے شروعات کی، ناظرہ قرآن حافظ میاں جان صاحب سیتا مڑھی اور ان کے بعد حافظ محمد جان صاحب مظفر پوری سے پڑھا، ناظرہ خوانی مکمل ہوئی تو درجہ حفظ میں بٹھادیا گیا، ڈیڑھ پارہ تک پہنچے ہی تھے کہ ان کے استاذ نے مولانا عبدالرحمن صاحب کو بتایا کہ بچہ بہت چھوٹا ہے، درجہ حفظ اس کے لیے مناسب نہیں، چنانچہ بھائی صاحب نے انہیں درجہ اردو میں داخل کیا، اس درجے میں اردو کی مختلف کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، یہ درجہ مولانا (عبدالرحمن) کے ذمہ تھا، اس لیے مفتی صاحب نے اردو کا قاعدہ اور اردو کی پہلی انھیں سے پڑھی، اردو آگئی تو تعلیم الاسلام پھر دروس التاریخ (للخیاط) قواعد اردو اور اخیر سال میں مسدس حالی بھی پڑھی، مؤخر الذکر تینوں کتابیں تقریباً انھیں از بر یاد تھیں، ہر شب جمعہ کو مکالمے ہوتے جن میں طلبہ کی یادداشت اور اسباق سے ان کی دل چسپیوں کا جائزہ لیا جاتا۔

### مفتی صاحب کی ذہانت

مفتی صاحب بڑے ذہین وطباع واقع ہوئے تھے، انہوں نے کبھی استاذ کی مارت نہیں کھائی، حافظ قوی تھا، جو بھی کتابیں پڑھتے انھیں زبانی یاد کر لیتے، جو بھی ان سے سوال کرتا فر فر جواب دے دیتے، حجاب و شرم اور ڈرو خوف جو اکثر بچوں میں پایا جاتا ہے بالکل نہ تھا، اپنے عہد طفولیت کا ایک واقعہ انھوں نے اس طرح لکھا ہے کہ: ”سالانہ امتحان مولانا عبدالرزاق نامی ایک غیر استاذ نے لیا جو ایک دوسرے مدرسے میں مدرس اول تھے وہ ہماری یادداشت اور حاضر جوابی سے حیرت زدہ رہ گئے، ان اسباق میں ہم صرف تین ساتھی تھے، مظفر حسین، واعظ الحق مرحوم اور خاکسار ظفیر الدین، عمر میں یہ دونوں مجھ سے بڑے تھے، ذکاوت و تیزی میں مجھے لوگ ترجیح دیا کرتے تھے، سمجھان دونوں کی اونچی تھی اور یادداشت میری۔“ (زندگی کا علمی سفر، ص: ۲۳)

### مدرسہ وارث العلوم چھپرا میں

نیپال میں ڈھائی سال رہ کر ۱۵ جنوری ۱۹۳۳ء کو گھر چلے آئے اور مولانا عبدالرحمن صاحب کی معیت میں مدرسہ وارث العلوم چھپرا (بہار) منتقل ہو گئے، یہ ۳۳ء کا ابتدائی ماہ تھا، مولانا عبدالرحمن صاحب یہاں بھی بحیثیت صدر المدرسین ہی آئے، یہاں آمدنامہ، عزیز القواعد اور ضوابط فارسی شروع ہوئیں، ضوابط فارسی مولانا عبدالرحمن



صاحب سے اور آمدنامہ سید محمد قادری سے پڑھیں، ڈیڑھ سال تک فارسی کتابوں میں لگے رہے، ۳۴ء آیا تو عربی چہارم میں داخلہ لیا، اس درجہ میں کتاب الصرف، نحو میر، علم الصیغہ اور مرقاۃ (منطق) پڑھی، مرقاۃ کے استاذ مولانا شاہ محمد حبیب تھے، ۳۵ء میں پنجم، ۳۶ء میں ششم عربی پڑھی، ۳۷ء میں عربی ہفتم پڑھا، جس میں قدوری، کافہ، اوضح المسالک، قلیوبی، اخوان الصفا اور مستطرف جیسی کتابیں تھیں، اسی سال اس مدرسے میں مفتی صاحب نے جمعیتہ الطالبہ کی بنیاد رکھی جس میں طلبہ تقریر کی مشقیں کیا کرتے تھے، اسی سال مفتی صاحب نے ۳ ستمبر کو یوم فلسطین کا جلوس نکالا، جو جامع مسجد چھرہ سے شروع ہوا اور پورے شہر میں گشت کیا، اپریل ۳۸ء میں فوقانیہ کا امتحان دیا، جس میں تمام مدارس کا سینٹر مدرسہ شمس الہدیٰ پڑھتا تھا، اپنی قلمی صلاحیتوں کو صیقل کرنے کے لیے اسی سال ماہ نامہ ”القاسم“ نکالا اور اس کے مدیر قرار پائے، مدرسہ وارث العلوم حکومت ہند سے فوقانیہ تک ہی منظور تھا اس لیے اس مدرسے کی باضابطہ طالب علمی اسی سال مکمل ہو گئی، البتہ فوقانیہ امتحان میں کامیابی کے بعد اپنے چچا زاد بھائی مولانا عبدالرحمن صاحب کے مشورے سے مزید تعلیم کے لیے دو سال اور ٹھہر گئے، اس مدت میں انھوں نے پرائیویٹ طور پر اگلی کتابیں پڑھیں، یہ سلسلہ دو سال تک چلا، اس دوران مفتی صاحب کا اس مدرسے میں مدرس عربی پنجم کی جگہ تقریباً ہوا جہاں انھوں نے پڑھنے کے ساتھ پڑھایا بھی، ۱۹۴۰ء میں جب مولوی کا امتحان ہوا تو مفتی صاحب نے سٹڈ اور فائنل سارے امتحان میں شرکت کی، حالانکہ انھوں نے مولوی کی کتابیں باضابطہ نہیں پڑھی تھیں، تیاری بھی نہیں کی تھی، لیکن یہ ان کی ذہانت اور اخاذ فطرت ہی تھی کہ سکینڈ ڈویژن سے پاس ہوئے، اس طرح ۳۳ء سے ۴۰ء تک کا تعلیمی زمانہ مدرسہ وارث العلوم چھپرا میں گزارا۔

### مدرسہ مفتاح العلوم منو میں

نومبر ۴۰ء مطابق ۹ شوال ۱۳۵۶ھ میں اپنے استاذ مولانا نظیر احمد صاحب کے صاحبزادے مولوی اظہار الحق کے ساتھ مدرسہ مفتاح العلوم منو کے لیے روانہ ہو گئے، پہلی ملاقات مولانا قاری ریاست علی سے ہوئی جو اپنے وقت کے خداسیدہ، صوفی منش اور جید الاستعداد عالم دین تھے، میرے والد حضرت مولانا جمیل احمد ناصری صاحب مدظلہ نے بھی دارالعلوم منو میں ان سے پڑھا ہے، قاری صاحب کے ایماء پر مفتی صاحب نے مدرسہ مفتاح العلوم کی راہ لی، جہاں انھوں نے اعلیٰ تعلیم میں داخلے کے لیے امتحان کی درخواست دی، اس وقت ناظم مدرسہ مولانا محمد ایوب صاحب تھے، انھوں نے خود امتحان لیا، اور بے حد خوش ہوئے، مفتی صاحب کا بیان ہے کہ انھوں نے مجھے اختیار دے دیا کہ جس جماعت میں چاہو داخلہ لے لو، اس لیے میں نے شرح وقایہ کی جماعت میں داخلہ لے لیا، اس پر ناظم مولانا ایوب صاحب نے ٹوکا کہ یہ کتابیں تم تو پڑھ چکے ہو، پھر دوبارہ پڑھنے کا کیا فائدہ؟ ہدایہ میں

داخلہ لے لو، چنانچہ میں نے ہدایہ میں داخلہ لے لیا، تعلیم تو مدرسے میں پاتے رہے، لیکن مولانا ایوب کے اشارے پر چھتر پورہ کی مسجد کے ایک کمرے میں قیام کیا، وہاں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے، اسی کمرے میں انجمن لمعات البیان کی بنیاد رکھی اور قلمی پرچہ ”لمعات“ کا آغاز کیا، اگلے سال جماعت جلالین میں داخلہ لیا، یہ ۴۲ء تھا، اسی سال اگست میں فرنگیوں کے خلاف ”ہندوستان چھوڑو تحریک“ شروع ہوگئی اس لیے تعلیمی سلسلہ موقوف ہو گیا، یہ پورا سال وطن میں ہی گزرا، اس دوران موقع غنیمت سمجھ کر عالم کے امتحان میں شرکت کی، چونکہ ورنٹ گرفتاری کا ان کے خلاف بھی تھا، اس لیے انھوں نے روپوشی اختیار کر لی، ۴۳ء میں جب حالات معمول پر آئے تو محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن الاعظمیٰ کی اطلاع پر دوبارہ مفتاح العلوم پہنچے اور وہیں سے دورہ حدیث شریف پڑھ کر ۴۴ء میں فراغت حاصل کی، بخاری اور ترمذی مولانا اعظمیٰ سے پڑھی، جب کہ مسلم اور ابوداؤد مولانا عبداللطیف نعمانی سے، مولانا محمد یحییٰ اور مولانا شمس الدین منوی بھی دورہ حدیث میں ان کے استاذ تھے، فراغت کا یہ سن ہجری اعتبار سے ۱۰ شعبان ۱۲۶۳ھ تھا۔

### فراغت کے بعد

مدرسہ مفتاح العلوم سے فراغت کے بعد مفتی صاحب مزید تعلیم چاہتے تھے، انھوں نے محقق دوران، مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کی لکھی ہوئی کتاب حیاتِ شبلی دیکھ رکھی تھی، اس نے سید صاحب کی عقیدت پیدا کر دی، دارالمصنفین اعظم گڑھ اس وقت ہندوستان بھر میں اپنی تحقیق و تدقیق، علم و فن کی نئی نئی دریافت اور نوادرات کی اشاعت میں اپنی دھاک جما چکی تھی، اس لیے مفتی صاحب کی خواہش ہوئی کہ سید صاحب کی خدمت میں رہ کر مزید علم حاصل کر لیں، اس سلسلے میں مولانا اعظمیٰ اور مولانا ندوی کے درمیان گفتگو بھی ہوئی تھی، مولانا ندوی کو کسی نئے فاضل کی تلاش تھی جو فقہ میں تخصص کرنے کا خواہش مند ہو، مولانا اعظمیٰ نے مفتی صاحب کا نام بڑے وقیع اور مضبوط پیرائے میں پیش کیا، مفتی صاحب ان سے ملاقات کے لیے اعظم گڑھ ملاقات کے لیے پہنچ گئے، سید صاحب جون پور تشریف لے گئے تھے، دودن کے بعد واپس آئے تو ملاقات ہوئی، آنے کی غرض بتائی، سید صاحب نے آزمانے کے لیے بڑی رد و قدح کی، فرمانے لگے کہ میرے ساتھ رہ کر تم زیادہ سے زیادہ دو چار کتابوں کے مصنف بن جاؤ گے، اس سے کیا ہوگا، یہاں نہ تمہیں دین ملے گا، نہ دنیا، تمہارے پاس جو علم ہے آخرت سنوارنے کے لیے وہی کافی ہے، یہ تقریر کرنے کے بعد فرمایا ”ظہر بعد ملے“، ظہر کے بعد ملاقات کے لیے گئے تو پھر آزمائش کے طور پر وہی تقریر دہرائی، اس پر مفتی صاحب نے جو مسکت جواب دیا اس سے مفتی صاحب کی ثاقب ذہنی خوب آشکارا ہوتی ہے، فرمایا:

حضرت اقدس! واقعہ یہ ہے کہ اس وقت نہ مجھے دولت اور شہرت کی خواہش ہے، اور نہ ولی کامل بننے کا ارادہ، میں تو یہ تمنا لے کر حاضر ہوا ہوں کہ عمر کا ایک حصہ میں نے پڑھنے میں صرف کیا ہے مگر جسے علمی رسوخ کہتے ہیں مجھے حاصل نہیں ہوا ہے اور نہ اپنے علم پر پورا اعتماد ہے، چاہتا ہوں کہ رسوخ فی العلم کا کوئی گوشہ میرے اندر بھی پیدا ہو جائے۔ (زندگی کا علمی سفر، ص: ۳۸)

### مفتی صاحب کا ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ

اس گفت و شنید کے بعد سید صاحب نے فرمایا کہ جب ایسا ہے تو تمہیں ندوہ میں پڑھنا پڑے گا اس لیے درخواست لکھ دو، کہا، منظور ہے۔ درخواست لکھ کر سید صاحب کو دے دی تو فرمایا کہ ندوہ چلے جانا، مفتی صاحب ندوہ کے ارادے سے پہلے وطن پہنچے، لیکن ہوا یہ کہ انہیں اچانک حدت خون (ٹی بی) کا مہلک مرض لاحق ہوا اور کئی ماہ اس میں مبتلا رہے، یہاں تک کہ محرم آگیا، محدث کبیر سے خط و کتابت چل رہی تھی، انھوں نے فرمایا کہ تم یہیں (مفتاح العلوم) آ جاؤ، تمہارے لیے تربیت افتاء کا شعبہ اپنے طور پر قائم کیا جائے گا۔

چنانچہ ۱۴ محرم ۱۳۶۲ھ کو منو پہنچے، یہاں آئے تو ایک بڑے حادثے کا علم ہوا، ایسا حادثہ جس نے اہل شہر کی ہوا اکھاڑ دی، وہ یہ کہ محدث کبیر مفتاح العلوم سے اب دارالعلوم دیوبند جا رہے ہیں، جہاں وہ صدر مفتی کے فرائض انجام دیں گے، دارالعلوم کے ارکان شوریٰ نے باضابطہ انہیں طلب کیا ہے، مفتی صاحب کا خواب چکنا چور ہو گیا، مفتاح العلوم سے کئی اساتذہ کے چلے جانے اور پھر محدث کبیر کے مستعفی ہو جانے سے اساتذہ کی اسامیاں خالی رہ گئیں تھیں، اس لیے ارباب مفتاح نے انہیں اپنا مدرسہ چن لیا، وہاں چند ماہ ہی رہنا ہوا تھا کہ ایک سازش کے تحت انہیں مدرسے سے برطرف کر دیا گیا، ان کی بحالی کی محدث کبیر سمیت بڑے اساتذہ نے کوشش کی، لیکن کام یابی نہ ملی، مفتی صاحب کا دل اچاٹ ہو گیا اور گھر چلے گئے، ۱۹۴۵ء میں ندوہ پہنچے، جہاں مولانا شاہ حلیم عطا صاحب، مولانا ظہیر ندوی اور مولانا اسحاق سندیلوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا، جس جماعت میں داخلہ ملا اس میں ساری کتابیں پڑھی پڑھائی تھیں، چند ایام کے بعد ہی ان کی طبیعت اکتا گئی، مولانا اولیس ندوی نگرانی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ چھٹی گزار کر ندوہ واپس آئے تو انہوں نے بھی مفتی صاحب سے کہا کہ پڑھی کتابیں پڑھنے سے کیا فائدہ؟ تم میرے گاؤں چلے جاؤ، وہیں مدرسہ معدن العلوم نگرام (لکھنؤ) میں بطور صدر مدرس کام کرنا، ندوہ سے دل اچاٹ تو تھا ہی، مولانا اولیس ندوی کی ترغیب نے انہیں ترک تعلیم اور ندوہ چھوڑنے پر مزید آمادہ کر دیا، اور وہ نگرام چلے آئے، جہاں انہوں نے شروع نومبر ۱۹۴۵ء سے دسمبر ۱۹۴۷ء تک تین سال تدریسی خدمات انجام دی۔

## مفتی صاحب کی ندوہ پُر لطف میں تقریر

قیامِ ندوہ کے دوران ایک بڑا دل چسپ واقعہ پیش آیا، ہوتا یہ تھا کہ ”الاصلاح“ نامی انجمن میں جب طلبہ ابتداءً جمع ہوتے تو تعارفی تقریر ہوتی، جب مفتی صاحب کو تقریر کی دعوت دی گئی تو بڑے پُر جوش انداز میں کھڑے ہوئے اور بڑی بے باکی کے ساتھ اپنی گفتگو شروع کی، حیاتِ شبلی کے مطالعہ سے ندوہ کا جو نقشہ ان کے ذہن میں بیٹھا تھا وہ یہاں نثار تھا، پھر یہ کہ پڑھی کتابیں ملنے سے طبیعت مکدر ہو چکی تھی، اس لیے نہایت تیز و تند تقریر کی، آگے کی بات وہ مفتی صاحب سے ہی سنئے: ”میں نے ندوہ کے علمی ماحول کی تعریف کرنے کے بعد کہا کہ دراصل مجھے ندوہ حیاتِ شبلی کھینچ لائی ہے، اب سے چند سال پہلے جب وہ چھپی تھی تو میں نے بڑے غور و فکر اور اہتمام سے اس کا مطالعہ کیا تھا اور کافی متاثر ہوا تھا، مجھے سوانح پڑھنے کا بڑا ذوق ہے، آپ حضرات کو حیرت ہوگی میں دوبار شروع سے اخیر تک پڑھی، اس کے بعد کہا حضرات! ایک بات عرض کر دوں، جو ندوہ حیاتِ شبلی میں ہے یہاں آکر معلوم ہوا کہ اب وہ ندوہ باقی نہیں رہا، اس وقت جو حالات ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کافی تبدیلی آئی ہے، بس صدر جلسہ نے حکم دے کر مجھے آگے بولنے سے روک دیا اور کہا بیٹھ جائیں۔“ (زندگی کا علمی سفر ص: ۵۲)

## مفتی صاحب کا تقریری مذاق

حضرت مفتی صاحب کو تقریر و خطابت کا بڑا استہزاق تھا، وہ بڑی مؤثر اور دل پذیر تقریریں کیا کرتے تھے، راقم الحروف نے قیام دارالعلوم کے دوران انجمن تہذیب الافکار کے جلسوں میں بارہا ان کی تقریریں سنی ہیں، وہ پانچ منٹ بولیں، یا پچاس منٹ، پوری تقریر طوفانِ بردوش اور گرما گرم ہوا کرتی، دیکھنے میں نحیف و لاغر اور انتہائی کمزور معلوم ہوتے لیکن جب بولنے پر آتے تو لگتا کہ ان کا عہد شباب عود کر آیا ہے، بجلی کی سی کوند، الفاظ کی موسلا دھار بارش اور زورِ خطابت سب کچھ ہی ہوتا، تقریر کی مشق انہوں نے مدرسہ وارث العلوم چھپرا میں ہی کی تھی اور اسی عرصے میں وہ مؤثر تقریریں کر لیا کرتے تھے، ان کی اس صلاحیت کا اعتراف وہ لوگ بھی کرتے تھے جو مدرسہ وارث العلوم کی مخالفت صرف اس لیے کرتے تھے کہ یہ ادارہ جمعیتہ علماء سے وابستہ تھا، مسلم لیگ سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا، لیگی حضرات جمعیتوں کو جہنمی اور کافر گردانتے، مفتی صاحب لکھتے ہیں: ”۱۹۳۹ء میں مسلم لیگ کی طرف سے فلسطین ڈے منایا گیا، ایک بڑا جلوس نکلا جس میں تمام مسلمان شریک ہوئے، بعد مغرب میونسپل ہال میں جلسہ ہوا اس میں ساتھیوں نے میری تقریر لکھوا دی، نو جوانی میں نے بڑے پُر جوش تقریر کی اس کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ کل تک جہنمی سمجھ کر ہم کو تھوکتے تھے اور لاجول پڑھتے تھے وہ جہاں سے میں گذرتا اب دکانوں سے نکل کر سلام کرنے لگے اور بڑی محبت و شفقت کا اظہار ہونے لگا۔ تعالیٰ اللہ شائے“ (علمی سفر، ص: ۲۶)

## تحریک آزادی میں مفتی صاحبؒ کی شرکت

تقریر کی یہ استعداد اور جوانی کا یہ جوش ہی تھا کہ اگست ۱۹۴۲ء میں انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں نے جب ”ہندوستان چھوڑو“ تحریک شروع کی، تو مفتی صاحب بھی اس کا حصہ ہو گئے، مفتاح العلوم میں ابھی ان کی طالب علمی چل ہی رہی تھی، انہیں طلبہ نے اپنا لیڈر منتخب کر لیا، جلسہ ہوا تو مفتی صاحب نے اتنی زناٹے دار اور شعلہ باز تقریر کی کہ حالات دگرگوں ہو گئے، امریکی فوج منو میں بھی گشت کرنے لگی، دس دن کے بعد اس نے دارو گیر بھی شروع کر دی، مسلمانوں کو بے دریغ پس زنداں کیا جانے لگا، وارنٹ جن لوگوں کے نام جاری ہوا ان میں مفتی صاحب کا نام بھی شامل تھا، انہیں کی زبانی سنئے:

”گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو گیا، مجبوراً مجھے چھپ جانا پڑا، کئی دن فاقے کے گزرے، پھر نثار مرحوم کی مدد سے کھانے کا انتظام ہوا، ٹرینیں بند ہو چکی تھیں، ڈاک خانے کا نظام بھی ٹوٹ چکا تھا، اس لیے منی آرڈر (روپے) گھر سے نہیں آرہے تھے، بے سروسامانی کا عجیب عالم تھا، کس نئی پرسد کہ بھیا کون ہو کا مصداق بنا ہوا تھا، اس وقت میری لیڈری کچھ کام نہ آئی، بلکہ اپنے لیے مصیبت بن گئی، سرچھپانا مشکل ہو رہا تھا، دوستوں اور ساتھیوں نے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا، کوئی دوست قرض دینے کے لیے بھی تیار نہ تھا، اللہ تعالیٰ کے سوا سب کٹ گئے تھے، چھتر پورہ محلہ کی مسجد کے کمرے میں مقیم تھا، اور مسجد کا امام بھی تھا، گیارہ روز ایسے ہی گزرے، جب یہ راز محلہ والوں پر کھلا کہ مجھ پر وارنٹ ہے تو انہوں نے کہا کہ آپ محلہ چھوڑ دیں، آپ کی وجہ سے محلہ پر بھی آنچ آسکتی ہے، مجبوراً گیارہ دنوں کی روپوشی کے بعد سفر کا ارادہ کرنا پڑا۔ (علمی سفر، ص ۳۳)

## لوح و قلم کے بادشاہ

بات تقریر اور جہاد حریت کی آگئی تو یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ مفتی صاحب جہاں میدانِ خطابت کے شہسوار تھے وہیں انشاء پر دازی کے قافلہ سالار بھی تھے، وارنٹ گرفتاری منسوخ ہونے کے بعد سیاست سے ان کا تعلق یوں بھی ختم ہو گیا تھا، تقریروں کا سلسلہ ضرور جاری رہا، مگر اب ان کا رجحان زمامِ قلم کی طرف ہو گیا، چنانچہ تدریس سے بچے ہوئے اپنے سارے اوقات انشاء پر دازی کے لیے وقف کر دیئے، اپنی ۸۵ سالہ زندگی میں انہوں نے تحریر و انشاء کی راہ سے وہ خدمات انجام دیں جن کی ہمت عام طور پر بڑے بڑے اہل علم بھی جٹا نہیں پاتے، مدرسہ معدن العلوم میں قیام کے دوران انہوں نے اسلام کا نظام مساجد کے عنوان سے کتاب نویسی کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ ”زندگی کا علمی سفر“ پر آکر رکا، موضوع دقیق ہو یا سہل، خشک ہو یا رس دار، لکھا اور خوب دادِ مہارت دی، بعض کتابیں تو اتنی مقبول ہوئیں کہ ان کے عربی اور انگریزی زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے، اسلام کا نظام عفت و

عصمت، نظام تعلیم و تربیت، اسلامی حکومت کے نقش و نگار، ان کی وہ کتابیں ہیں جنہیں ہر باذوق اپنے لے سرمایہ گردانتا ہے، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی ترتیب تو ان کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ ایک باخبر مفتی اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا، بارہ ضخیم جلدوں میں یہ کتاب ہر اہل علم کے لیے ایک سوغات ہے، ترتیب کا لفظ سن کر عصر حاضر کے فضلاء یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو کوئی کوہ کنی نہ ہوئی، دارالعلوم کے مفتی اول مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی کے فتاویٰ کو جمع کرنا اور ترتیب دینا کون سا مشکل کام تھا، لیکن جنھوں نے مفتی عزیز الرحمن صاحب کی تحریروں کو دیکھا ہے ان کے لیے یہ فیصلہ کرنا چنداں دشوار نہیں کہ کس جاں فشانی سے یہ کام انجام پایا ہوگا، شکستہ تحریریں، بوسیدہ اوراق، منتشر مضامین، اور پھر طویل استفتاءات کی دودو تین تین سطروں میں تلخیص کوئی بچوں کا کھیل نہیں تھی، مگر مفتی صاحب نے پوری تن دہی، کمال توجہ اور مکمل استغراق کے ساتھ اپنی پختہ کاری اور دقت نظری کا ثبوت دیا، جس دور میں یہ کتابیں ترتیب دی گئیں وہ مفتی صاحب کے کتب خانہ کی ادارت کا زمانہ تھا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے وقت کی صحیح قدر و قیمت جان کر اسے اچھی طرح وصول کیا اور اس طرح ارکان مجلس شوریٰ کی خواہش کو بروئے کار لانے میں کامیاب رہے۔

تحریر ہی کی لائن سے ان کا ایک بڑا کارنامہ رسالہ دارالعلوم کی لگا تار سترہ سال ادارہ نویسی ہے، اہل نظر جانتے ہیں کہ رسالہ دارالعلوم پابندی سے نکلتا تو ضرور تھا، مگر اس میں ادارہ نہ ہوتا تھا، کوئی بھی رسالہ بغیر ادارہ کے سربریدہ ڈھانچہ معلوم ہوتا ہے، ایک معتبر اور بین الاقوامی درس گاہ کے رسالے میں یہ عیب یقیناً بڑا عیب تھا، ارکان شوریٰ نے اسے محسوس کیا اور ماہ صفر ۱۳۸۵ھ میں انہیں باقاعدہ رکن ادارت بنادیا، مفتی صاحب نے نہ صرف ادارتی ذمہ داری کو نبھایا بلکہ رسالہ اور اس کی رفتار کو ایک نئی جہت دے دی، اس کے ادارے ایسے ہوتے کہ بہت سے قارئین صرف ادارے کے لیے رسالہ کے منتظر رہتے، عربی و اردو کے شہرہ آفاق ادیب حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی مدظلہ نے بالکل درست لکھا ہے کہ ”مفتی صاحب میں تالیف و انشاء کا فطری ذوق ہے، زبان سادہ اور رواں لکھتے ہیں، ان کی تحریر ہر طرح کے تکلف سے پاک ہوتی ہے، انہوں نے بہت سی کتابیں اور سیکڑوں مقالات لکھے، جو ملک (ویرون ملک) کے طول و عرض میں مختلف وسائل میں چھپے، انہیں جمع کر دیا جائے تو دسیوں کتابیں تیار ہو جائیں گی۔ (پس مرگ زندہ، ص: ۹۳۱)

مفتی صاحب کے اسلوب تحریر کا سب نے لوہا مانا، علم و تحقیق، فکر و نظر، حسن ادا، برجستگی اور سلاست ان کے قلم کی خصوصیت ہوا کرتی تھی، کسی کی علمی گرفت یا تنقید بھی کرتے تو اتنے شستہ اور دل چسپ پیرائے میں کہ فریق مخالف کو برا نہ لگتا، اعتدال و توازن ان کی تحریر کا جو ہر تھا، جماعت اسلامی کی رد میں انہوں نے کئی رسالے اور مضامین لکھے ہیں، لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مفتی صاحب ہندیاں گوئی یا ناشائستگی پر آتر آئے ہوں، اسے دیکھنا ہو تو

جماعت اسلامی کے دینی رجحانات اور مطالعہ مودودیت ملاحظہ فرمائیں۔ ان کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد ۲۴۷ تک پہنچتی ہے، مضامین و مقالات ان سے علیحدہ ہیں، غیر مطبوعہ تصنیفات کی بھی یقیناً ایک بڑی تعداد ہوتی، خود ان کے فتاویٰ کا ذخیرہ اس قدر ہے کہ کئی ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

### مفتی صاحب کی تدریسی خدمات

مفتی صاحب کی تدریسی خدمات کا سلسلہ ۱۹۳۸ء سے چلا تو وفات سے دو سال قبل تک وہ برابر چلتا رہا، درمیان میں چند سال ضرورتاً تدریس سے علیحدہ گزرے، لیکن ان کی عمومی زندگی تدریس کے لیے ہی وقف رہی، جیسا کہ گزر چکا ہے کہ فراغت کے بعد ایک سال مفتاح العلوم میں مدرس رہے، اس کے بعد ستمبر ۱۹۴۵ء سے دسمبر ۱۹۴۷ء تک مدرسہ معدن العلوم نگر ام ضلع لکھنؤ میں تین سال تدریسی خدمات انجام دی، جنوری ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم معینیہ موضع سانچہ ضلع مونگیر (حال بیگوسرائے) میں مدرس ہوئے، یہاں ۱۹۵۶ء تک درس و تدریس میں مشغول رہے، درمیان میں ایک سال محرم ۱۳۶۸ھ تا اواخر ۱۳۶۸ھ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل و سملک سابق ضلع سورت حال ضلع نوساری میں تدریسی خدمتیں انجام دیں، وہاں بیمار ہو گئے، اس لیے واپس دارالعلوم معینیہ سانچہ آ گئے۔ دارالعلوم دیوبند آئے تو یہاں بھی ۱۹۹۳ء سے درجہ افتاء میں تدریس سپرد ہوئی، جب تک یہاں قیام رہا افتاء کی کتابیں پڑھاتے رہے۔

### دارالعلوم دیوبند میں مفتی صاحب کی آمد

۹ ستمبر ۱۹۵۶ء، ۱۳۷۶ھ میں دارالعلوم دیوبند آئے، اپنے دارالعلوم آمد کا واقعہ مفتی صاحب نے بڑی تفصیل سے لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر کی لائبریری کا افتتاح ہونا تھا، اس موقع پر ایک بڑا اجلاس ہوا جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحب تشریف لائے تھے، اس اجلاس میں امیر شریعت حضرت مولانا محمد منت اللہ رحمانی کی اجازت سے کتب خانے کی اہمیت و عظمت پر ایک مقالہ پیش کیا تھا، یہ طویل مقالہ اپنی جامعیت و علمیت کی بنا پر دو نشستوں میں پڑھا گیا، اس مقالے پر مفتی صاحب کو خوب داد ملی، یہی تحریر دارالعلوم آنے کا سبب بن گئی، قاری صاحب نے ۱۳۷۵ھ انہیں طویل ساخط لکھا، مفتی صاحب نے اسے سعادت سمجھ کر قبول کر لیا اور دارالعلوم تشریف لے آئے۔

یہاں آئے تو انہیں شعبہ تبلیغ میں رکھ دیا گیا جس میں فرق ضالہ کے ابطال میں مضامین و رسائل کی ذمہ داری سپرد کی گئی، ۷ سال تک اس شعبہ سے منسلک رہے، ۱۳۸۳ھ میں انہیں کتب خانہ منتقل کر دیا گیا۔

## کتب خانہ میں مفتی صاحب کی خدمات

دارالعلوم دیوبند کا کتب خانہ مفتی صاحب کی آمد سے قبل غیر مرتب تھا، کتابوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، مطلوبہ کتابیں تلاش کرنے کے باوجود بڑی مشکل سے اور کئی کئی دنوں کے بعد ملتی تھیں، اہل علم کو اس سے بڑی شکایتیں تھیں، ارکان شوریٰ نے اس مسئلے کے حل کے لیے مفتی صاحب کو منتخب کیا، گو مفتی صاحب اس ذمہ داری سے خوش نہ تھے، اور بہت مکر بھی ہوئے، لیکن دارالعلوم کے مفاد میں اسے قبول کر لیا، اس کی صحیح ترتیب کے لیے مختلف لائبریریوں کی خاک چھانی، پٹنہ، رامپور، علی گڑھ اور نہ جانے کہاں کہاں کا دورہ کیا، اور اسے کئی سالوں میں ایک باوقار لائبریری بنادیا، کتب خانہ میں موجود مخطوطات کا تعارف بھی دو جلدوں میں لکھا، دارالعلوم کے کتب خانہ کی موجودہ ترتیب ان کا ایک شان دار کارنامہ ہے، اسے قابل ذکر نہ سمجھنا حقائق سے آنکھیں چرانا ہے۔

## مردم ساز مفتی صاحب

مفتی صاحب جہاں اور کمالات سے مالا مال تھے وہیں مردم گری اور رجال سازی میں بھی انہیں ید طولیٰ حاصل تھا، ان کے دامن علم سے جو بھی طالب علم وابستہ رہا، کھر اسونا بن کر نکلا، ”سانحہ“ کا مدرسہ معینیہ، مکتب سے دارالعلوم ان کی اسی صفت کے طفیل میں بنا، ان کے طرز تدریس سے طلبہ کھنچ کھنچ کر ان سے استفادہ کے لیے آتے، دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۸۴ھ میں ”مطالعہ علوم قرآنی“ کے نام سے جب نیا شعبہ قائم کیا گیا تو اس کی نگرانی اور سرپرستی کے لیے ارکان شوریٰ نے انہیں کو منتخب کیا، یہ شعبہ دارالعلوم کے ذہین طلبہ اور باصلاحیت فضلاء کے لیے اپنی علمی اور تحریری لیاقت کو پختہ کرنے کا بہترین ذریعہ تھا، مفکر اسلام حضرت مولانا محمد ولی رحمانی، مولانا رضوان القاسمی مرحوم اور مولانا سمیع اللہ گونڈوی وغیرہم نے اسی شعبہ میں رہ کر مفتی صاحب سے فیض حاصل کیا ہے، یہ شعبہ چار سال تک باقی رہا اور ۱۳۸۸ھ میں اسے بند کر دیا گیا، اس کے بند ہونے پر مفتی صاحب بہت ناراض بھی ہوئے لیکن تقدیر کے آگے کس کی چلی ہے؟

## سادگی کے پیکر

مفتی صاحب اپنی تمام تر علمی برتری کے باوجود خود کو چھوٹا ہی محسوس کرتے، اور انخفاء حال کی پوری کوشش کرتے، ۱۳۸۵ھ میں جب ادارہ لکھنے کی فرمائش کی گئی اور انہیں مدیر بنایا گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ ادارہ یہ تو میں ضرور لکھوں گا، مگر بحیثیت مدیر نائٹل پر میرا نام نہیں ہونا چاہئے، ۱۴۰۲ھ تک انہوں نے رسالہ کا کام کاج سنبھالا، مگر اکثر لوگ یہ نہ سمجھ پائے کہ اس رسالہ کے مدیر مولانا ازہر شاہ قیصر ہیں یا مفتی صاحب۔ اپنی سادگی کی بنا



پروہ سہل الحصول تھے، جو جب چاہتا انہیں بلا لیتا، باحیثیت، بے حیثیت، خورد و کلاں سب کی آواز پروہ لبیک کہہ دیتے اور جہاں بٹھایا جاتا بیٹھ جاتے، جو کھلایا جاتا کھا لیتے، بیل گاڑی اور ہوائی جہاز، فرش خاکی اور تخت شاہی کے درمیان ان کے یہاں کوئی فرق نہ تھا، حالاں کہ وہ بڑے تھے، بہت سے اکابر علماء کے استاذ تھے، نہ جانے کتنے ہی مفتیان کرام ان کے خوانِ علم کے زلہ رہا ہیں، لیکن جس سے ملتے، جھک کر ملتے، نہ چپیں بہ جپیں، نہ عتاب و غصہ، بلکہ طلبہ سے تفریح بھی کر لیا کرتے، ایک دن راقم الحروف ان کے ساتھ بازار گیا، انہیں بڑے رومال کی ضرورت تھی، راقم نے ایک عربی رومال کی طرف اشارہ کیا جس کی زمین سفید تھی اور نقش و نگار سرخ تھا، فرمانے لگے ”بوڑھی گھوڑی لال لگام“ اور اس طرح آگے بڑھ گئے، کسر نفسی اور فنائیت ان کی زندگی کی عباتھی، سادہ لباس زیب تن کرتے، موٹا جھوٹا کپڑا ان کی شناخت تھا، اتنے بڑے عالم سے اس قدر خاک ساری بہت بڑی کرامت ہے، جب تک انہوں نے خود کو کام کے لائق سمجھا، کام کرتے رہے، اور جب انہیں لگا کہ ان سے مزید خدمت نہیں ہو سکتی، تو انہوں نے سبکدوشی کر لی، ۲۰ شعبان ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۲ اگست ۲۰۰۸ء بروز جمعہ انہوں نے دارالعلوم کو خیر باد کہا اور دو ہزار پینشن پر وطن تشریف لے گئے۔ اس طرح انہوں نے جہاں کی مٹی سے سر نکالا تھا اسی مٹی میں سو گئے۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعة



### خالق و مخلوق

حق تعالیٰ سوال کرنے سے جتنے خوش ہوتے ہیں اتنے کسی چیز سے خوش نہیں ہوتے۔ دنیا میں اس کا قصہ برعکس ہے۔ اگر آپ کسی کے آگے سوال کرنے لگیں تو وہ خوش نہیں ہوگا بلکہ ناخوش ہوگا۔ اگر محبت بھی ہوگی تو وہ بھی ختم ہو جائے گی، اس کی بنیاد یہ ہے کہ دنیا میں آپ جس سے بھی مانگیں گے چاہے وہ عرب پتی ہو مگر اس کا خزانہ پھر بھی محدود ہے، جتنا دے گا اتنی خزانے میں کمی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ کے خزانے لامحدود ہیں، اگر پورا عالم بھی بخش دیں تب بھی کمی نہیں پڑے گی اس لئے ناخوش ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

## تعلیمی رپورٹ

(بابت ۱۴۳۸ھ - ۲۰۱۷ء)

بموقع جلسہ العامیہ، جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

منعقدہ ۳ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۲ مارچ ۲۰۱۸ء جمعرات

حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم

الحمد لله رب العالمین. والصلوة والسلام علی سید المرسلین

و علی آلہ وصحبہ اجمعین. وبعد!

معزز مہمانان، اساتذہ جامعہ و طلبہ عزیز! اسلام دنیا کا وہ منفرد مذہب ہے جس نے بغیر کسی تفریق علم کا حصول ہر ایک شخص پر فرض اور لازم قرار دیا۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اسلام سب سے پہلے عقائد، فرائض اور محرمات کے علم پر زور دیتا ہے اور اس کو فرض عین قرار دیتا ہے، جب کہ فروع و جزئیات کے علم کو دوسرے درجہ میں رکھ کر فرض کفایہ کی حیثیت دیتا ہے۔ کتاب و سنت میں دونوں ہی کی طرف واضح اشارے کئے گئے ہیں۔ سیدنا بخاری الامام نے کتاب العلم اور اس کے ابواب جس نہج اور ترتیب پر قائم کئے ہیں، ان سے موجودہ دور کے مدارس کے منہاج و نظام کی بنیادیں اور خدو خال واضح ہوتے ہیں۔ یہ بات تو مشہور ہی ہے کہ یہ عوامی مدارس صفہ نبوی کی زریں کڑی کا حصہ ہیں اور جب تک یہ ان بنیادی نقوش کو اپنے دامن میں سمیٹے رہیں گے تعلیم و تربیت کا سرچشمہ رہیں گے، خیر و برکت کا ذریعہ رہیں گے اور دین و علم دین کے حوالے سے افادہ و استفادہ کی سب سے مستند درس گاہیں بھی۔ علاوہ ازیں قرون مشہود لہا بالخیر: عہد صحابہ، عہد تابعین اور عہد تبع تابعین میں تعلیم و تعلم کے سلسلے میں جو نقوش ثبت کئے گئے، یہ مدارس اپنے نصاب اور نظام: دونوں کے حوالے سے ان نقوش پر ہی اب تک ثابت قدم ہیں۔

طلبہ عزیز! آپ کی یہ مادر علمی جامعہ امام محمد انور شاہ دین کے بنیادی علوم: قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیم، نیز ان کے تمہیدی علوم و فنون: نحو، صرف، منطق، بلاغت، عربی زبان، اصول فقہ، اصول حدیث اور اصول تفسیر کی رجال ساز کتابوں کی تدریس کے ساتھ علوم عصریہ پر بھی توجہ دیتا رہا ہے جو بحیثیت ایک انسان اور بحیثیت ایک

ہندوستانی ہمیں اور آپ کو موجودہ حالات میں بے حد ضروری ہیں چنانچہ انگریزی و ہندی زبان، حساب، جغرافیہ اور کمپیوٹر کی تعلیم و ٹریننگ بھی یہاں داخل نصاب ہیں۔ واضح رہے کہ صفحہ کی درسگاہ میں جہاں قرآن کریم، تجوید، عقائد و فرائض، احکام و مسائل کی تعلیم کا انتظام تھا، وہیں تحسین خط، تحسین املاء اور تیر اندازی و نیزہ بازی کی تربیت و ٹریننگ سے بھی غفلت نہیں برتی گئی۔ یہ سلسلہ دن گزرنے کے ساتھ ساتھ دراز سے دراز تر ہوتا رہا اور یوں اسلامی درسگاہوں اور علماء و مشائخ کے حلقات میں ان تمام ضروری علوم و فنون کی تدریس کا اہتمام کیا گیا جو اس وقت کے اعتبار سے از بس ضروری سمجھے جاتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حلقہ درس میں تمام دینی علوم کی تدریس کے ساتھ شعر و ادب، انساب، ایام عرب اور تاریخ سے متعلق بھی سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ اسلام ان تمام علوم و فنون کو حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے جو انسان کے لئے دنیا میں یا آخرت میں مفید و نافع ہوں اور ہر اس علم و فن سے منع کرتا ہے جو انسانیت کے لئے اور انسانوں کے لئے دنیا یا آخرت میں تباہی و بربادی کا سامان ہوں۔

اب سے اکیس سال پہلے اس جامعہ کی بنیاد فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ والرضوان اپنے والد گرامی امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے نام نامی پر رکھی اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص رہا کہ پہلے دن سے ہی جامعہ نے تعلیم و تربیت کے حوالے سے اپنی الگ پہچان اور انفرادی شان بنائی۔ یہ جہاں حضرت بانی جامعہ کے جذبہ اخلاص، سوز و دروں اور دعائے نیم شبی کا نتیجہ ہے، وہیں اساتذہ و کارکنان کی شبانہ روز انہماک کے ساتھ جدوجہد اور طلبہ عزیز کی اپنی ذمہ داریوں کے احساس کا ثمرہ بھی ہے۔

اضیاف المسلمین! آپ نے بار بار پڑھا اور سنا ہوگا کہ روز قیامت دو طرح کے لوگ ہوں گے: ایک وہ خوش بخت طبقہ جس کو انعام و اکرام سے نواز کر نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ فرط مسرت سے دوسروں کو اپنی کامیابی اور اعزاز و اکرام کا یہ نوید نامہ دکھاتا پھرے گا۔ ہاؤم افرؤا کتائبہ کا ورد اس کی زبان پر ہوگا۔ جب کہ دوسرا طبقہ خسرو الدنیا والآخرۃ کا عنوان ان حرام نصیبوں کا ہوگا جو اپنی ذلت و رسوائی کا سراپا بن کر اپنا نتیجہ نامہ خود اپنے اور اپنوں سے بھی چھپاتا پھرے گا اور بالیقینی لَمْ اُوْتِ کتائبہ اس کی حسرت و ندامت کا اعلان۔

تَحَلَّقُوا بِاخْلَاقِ اللّٰهِ النّبٰی الخاتمہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ تو لیجئے اکرام و اعزاز اور نوازشات کی یہ تقریب انعامی جلسے کی شکل میں آپ کے سامنے آراستہ و پیراستہ ہو چکی ہے۔ جن طلبہ نے اپنے وقت کی قدر و قیمت پہچانی، جامعہ کی فراہم کردہ سہولیات سے کما حقہ استفادہ کیا آج وہ اپنا انعام اور ریزلٹ کارڈ دیکھ کر مسرت و شادمانی کا سراپا نظر آ رہے ہیں۔ جب کہ ناقد ردانوں کے حصے میں ہمیشہ ہی ذلت و رسوائی آئی ہے اور آج بھی یہ ان کا مقدر ہے۔ یہ انعام جو گراں قدر علمی و دینی کتابوں یا نقد پر مشتمل ہے اپنے آپ میں اس کا وزن اتنا بھاری ہے کہ دنیا کی کوئی

ترازو اس کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی۔ شرط یہ ہے کہ عقل دانا ہو اور گوش شنوا۔ اس سال جو کتابیں تمام درجات میں کامیاب اور ممتاز طلبہ کو دی جا رہی ہیں ان کی قیمت کم وبیش دو لاکھ روپے ہے۔ نقد انعام ان پر مستزاد۔ یہ کتابیں دیوبند کے تاجران کتب کے فراخ دلانہ تعاون اور جامعہ کے ساتھ دیرینہ تعلق کا اظہار بھی ہیں اور کامیاب طلبہ کے لئے ان کی طرف سے تحجج اور مہیز بھی۔ ہم خدام جامعہ ان سبھی تاجران کتب بالخصوص فرزندان حضرت مفتی سعید صاحب پالن پوری، بھائی تاج عثمانی، حضرت مولانا ندیم الواجدی صاحب، مالک دارالکتب دیوبند، زکریا بک ڈپو، دیوبند اور مولانا انعام الہی صاحب مالک مکتبہ ملت دیوبند کے بے حد مشکور ہیں۔

اس موقع پر ہم اپنے ان طلبہ عزیز سے بھی کچھ گزارشات کرنا چاہتے ہیں جو تلمذ و تعلیم کی رسم کی تکمیل کے بعد اب وہ فضیلت کے حامل بن کر اساتذہ کی صف میں شامل ہو گئے ہیں یا ہونے جا رہے ہیں کہ وہ اپنے دین اور علم کو کسی کے سامنے ہرگز رسوا نہ کریں، بہر قیمت دین و ایمان کا تحفظ کریں، دنیا کی دولت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، بہر حال دین و ایمان اور علم دین کا معاوضہ نہیں بن سکتی۔ علم دین کے حاصل کرنے کا سب سے بڑا فائدہ اپنے ایمان کا تحفظ ہے۔ ورنہ موٹے عقائد، احکام و مسائل کا علم تو مکاتب میں بھی حاصل ہو جاتا ہے، تبلیغی جماعت میں آنے جانے سے بھی اور کسی عالم یا شیخ کی مجلس میں اٹھنے بیٹھنے سے بھی، مگر جو پختگی، استقامت اور مناسبت مدارس کی رسمی تعلیم کی تکمیل سے حاصل ہوتی ہے، وہ کسی دوسرے طریقے سے ممکن نہیں۔

بات مختصر کرتے ہوئے ضروری ہے کہ آپ حضرات کے سامنے گذشتہ تعلیمی سال کا ایک جامع اور مختصر سا گوشوارہ پیش کر دیا جائے جس میں حضرات مہمانان کرام کو بہت کچھ سمجھنے، سیکھنے اور یاد رکھنے کا سامان ہے۔

تعداد طلبہ سال گذشتہ ۱۴۳۷/۳۸ھ

داخل طلبہ ذی قعدہ

۲۱۶	اول تا پنجم	۲۶	حفظ
۲۰	تکمیل ادب	۹۳	دورہ حدیث
۳۷۰	میزان	۱۵	تکمیل افتاء
۳۰۳	کامیاب طلبہ	۳۵	ناکام طلبہ

سہ ماہی ۳۸

**حفظ :** محمد اسماعیل بستی اول، محمد عمران نیپال دوم، محمد ابرار سہرہ سوم

**سال اول :** محمد اظہار اڑیسہ اول، محمد اجمل غنی دیوبند دوم، شیخ مدثر مہاراشٹر سوم

**سال دوم :** عبداللہ کبیر نگر اول، رفیع اللہ کبیر نگر دوم، نور محمد حسن آسام سوم

**سال سوم :** مستفیض اختر بنگال اول، مجاہد الاسلام بنگال دوم، محمد حسن سرور در بھنگل سوم

**سال چہارم :** محمد اللہ جھارکھنڈ اول، محمد زریاب دہلی دوم، محمد احمد لکھیم پور سوم  
**سال پنجم :** زاہد ارشد دہلی اول، مہتاب عالم سیتا مڑھی دوم  
**دورہ حدیث :** عرفان احمد کبیر نگر اول، سیف الحق بھاگل پور دوم، محمد صدیق مہاراشٹر سوم  
**تکمیل افتاء :** محمد اسلم ایم پی اول، محمد مجتبیٰ سبحانی کرناٹک دوم، محمد عامر میرٹھ سوم

شش ماہی ۳۸

**حفظ :** محمد ابرار سہرہ اول، گلزار شامی دوم، محمد شاہد سہرہ سوم، محمد اسماعیل بستی سوم  
**سال اول :** رضا کریم جھارکھنڈ اول، محمد اظہار اڑیسہ دوم، محمد اجمل غنی دیوبند سوم  
**سال دوم :** نور محمود الحسن آسام اول، عبید اللہ کبیر نگر دوم، رفیع اللہ کبیر نگر سوم  
**سال سوم :** مستفیض اختر بنگال اول، محمد حسن سرور درجہ نگہ دوم، مجاہد الاسلام بنگال سوم  
**سال چہارم :** محمد زریاب دہلی اول، محمد بشیر مہاراشٹر دوم، محمد ابوسعدا نصاری جھارکھنڈ سوم  
**سال پنجم :** محمد زاہد ارشد دہلی اول، عبدالرحمن آندھرا دوم، مہتاب عالم سیتا مڑھی سوم  
**دورہ حدیث :** عرفان احمد کبیر نگر اول، سیف الحق بھاگل پور دوم، محمد صدیق مہاراشٹر سوم  
**تکمیل ادب :** محمد ریحان مظفر نگر اول، محمد زبیر اترکھنڈ دوم،  
**تکمیل افتاء :** محمد ذکرا اللہ چیمپارن اول، محمد اسلم ایم پی دوم، محمد عامر میرٹھ سوم

مجموعی نتیجہ ۱۴۳۸ھ

**حفظ :** محمد پرویز پنجاب اول، محمد صادق مظفر نگر دوم، محمد آفتاب ارریہ سوم، محمد اسماعیل بستی سوم  
**سال اول :** محمد اجمل غنی دیوبند اول، محمد مصطفیٰ سہارنپور دوم، محمد اظہار اڑیسہ سوم  
**سال دوم :** محمد دیوبند اول، رفیع اللہ کبیر نگر دوم، عبید اللہ کبیر نگر سوم  
**سال سوم :** مستفیض اختر بنگال اول، مجاہد الاسلام بنگال دوم، محمد حسن سرور درجہ نگہ سوم  
**سال چہارم :** محمد بشیر مہاراشٹر اول، مقصود احمد کشمیر دوم، محمد اللہ جھارکھنڈ سوم  
**سال پنجم :** محمد زاہد ارشد دہلی اول، عبدالرحمن آندھرا دوم، محمد عارف راجستھان سوم  
**دورہ حدیث :** عرفان احمد کبیر نگر اول، سیف الحق بھاگل پور دوم، محمد صدیق مہاراشٹر سوم  
**تکمیل ادب :** محمد زبیر اترکھنڈ دوم  
**تکمیل افتاء :** محمد اسلم ایم پی اول، محمد مجتبیٰ سبحانی دوم، محمد سلمان ایم پی سوم

## حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

**تحریر:** مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ  
**ترجمہ:** محمد قربان، متعلم تکمیل ادب عربی جامعہ لہذا

حضرت شاہ عبدالعزیز بن ولی اللہ بن عبدالرحیم عمری دہلوی ہمارے علماء کے سردار اور ان کے سردار کے بیٹے تھے، بعض حضرات نے انہیں سراج الہند کا لقب دیا اور بعض حضرات نے حجتہ اللہ کا۔ ۱۱۵۹ھ میں ۲۵ رمضان المبارک کو جمعرات کی رات میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم حفظ کیا اور اپنے والد صاحب سے علم حاصل کیا، کچھ ان کے پاس پڑھا اور کچھ تحقیق وراثت کے ساتھ سنا، یہاں تک کہ ان کو علوم میں ملکہ حاصل ہو گیا۔ جب ان کے والد صاحب کی وفات ہو گئی جب کہ ان کی عمر ۱۶ سال تھی، تو شیخ نور اللہ برہانی اور شیخ محمد امین کشمیریؒ سے علم حاصل کیا۔ شیخ محمد عاشق پھلّی نے ان کو اجازت دی۔ یہ حضرات ان کے والد صاحب کے اجل تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے ان سے وہ علوم حاصل کئے جو والد صاحب سے نہ حاصل کر سکے تھے۔

اپنے فضل و ادب، علم و ذکاوت، فہم اور سرعت حفظ میں یکتائے زمانہ تھے، درس و افادہ میں مشغول ہوئے جب کہ ان کی عمر صرف ۱۵ سال تھی۔ چنانچہ انہوں نے درس دیا، لوگوں کو فیض پہنچایا، یہاں تک کہ وہ ہندوستان میں یکتائے روزگار بن گئے، ان کے یہاں سے باکمال حضرات فارغ ہوتے اور دور دراز علاقوں سے طلبہ ان کا رخ کرتے اور ان پر ایسے ٹوٹ پڑتے جیسے پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ صرف ۲۵ سال کی عمر میں انتہائی تکلیف دہ بیماریاں ان کو لگ گئیں، جن کے باعث ان کو کوڑھ، برص، اندھا پن اور مرغی کی بیماریاں ہو گئیں، یہاں تک کہ ۱۵ مہلک امراض نے انہیں گھیر لیا، اسی وجہ سے اپنے مدرسہ میں تدریس کی ذمہ داری اپنے دونوں بھائیوں حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے سپرد کر دی۔ اس کے باوجود خود بھی درس دیتے، تصنیف کرتے، فتوے دیتے اور وعظ کرتے تھے۔ منگل کے دن قرآن کریم کی حقانیت اور حقائق پر وعظ فرماتے تھے، آخری عمر میں مجلس میں ایک گھنٹہ بھی نہیں بیٹھ سکتے تھے، اس لئے اپنے پرانے اور نئے مدرسہ کے درمیان چلتے رہتے۔ اس وقت بہت سارے لوگ آپ سے استفادہ کرتے، آپ درس دیتے، فتویٰ دیتے اور ساتھ ساتھ حق کے راستے کی طرف لوگوں کی رہنمائی بھی فرماتے۔ اسی طرح عصر اور مغرب کے درمیان چلتے۔ مدرسہ اور جامع مسجد کی

درمیانی سڑک پر جاتے تو دائیں بائیں جانب دو آدمیوں کا سہارا لے کر چلتے، لوگ راستہ میں آپ کی آمد کا انتظار کرتے اور اپنی مشکلات میں ان سے استفادہ کرتے، انتہائی تکلیف دہ بیماریوں نے اس حد تک کھانے پینے کی خواہش ختم کر دی تھی کہ کئی کئی دن اور راتیں کھانے کا مزہ کچھ بغیر ہی گزار دیتے، یہاں تک کہ کھانا بخار کی طرح باری باری ایک دن چھوڑ کر ہونے لگا۔ ان تکلیف دہ بیماریوں اور امراض کے باوجود نرم طبیعت، بہترین مدرس، بہترین مذاکرہ کرنے والے فصیح اللسان، شیریں کلام، متواضع، خوش مزاج اور محنت کرنے والے تھے، ان کے اوصاف کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔ آپ کی مجلس دین و عقل کے لئے سیر و تفریح ہوتی۔ دور دراز علاقہ سے آنے والے لوگوں کی حکایات اور وہاں کے عجائبات کو اس طرح بیان کرتے کہ سننے والے لوگ یہ خیال کرتے کہ آپ کو ان کا علم دیکھ کر ہوا ہے، حالاں کہ معاملہ ایسا نہیں تھا کیوں کہ آپ صرف کلکتہ ہی کو جانتے تھے بلکہ آپ انتہائی ذہین، قوی التصور اور حقائق کے بہت زیادہ متلاشی تھے۔ دور دراز سے دہلی آنے والے لوگوں کے فود سے یہ چیزیں حاصل کیں۔ لوگ ان کا قصد کرتے تاکہ ان کے علم سے استفادہ کریں۔ ادباء حضرات ان کا رخ کرتے تاکہ ان کے ادب سے کچھ حاصل کر سکیں اور ان کے سامنے اپنے اشعار پیش کر سکیں۔ بعض ضرورت مند ان کے پاس آتے تاکہ ارباب دنیا کے پاس سفارش کریں، جہاں تک ہوتا آپ ان کے ساتھ ہمدردی کا معاملہ کرتے۔ مریض اپنے علاج کے لئے ان کی پناہ لیتے۔ اہل جذب اور اہل سلوک ان کے پاس آتے تاکہ وہ ان انوار کی کرنوں سے فائدہ اٹھائیں۔ اہل علم اور اہل صلاح کو مہمان بناتے، ان کے قیام کا اچھا انتظام فرماتے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے، ان کے مقاصد و مطالب کے حصول کی کوشش فرماتے اور جب کوئی بد اخلاق آپ کے پاس بیٹھتا یا ایسا شخص جس کو دینی مسائل میں اختلاف ہوتا تو آپ ایسی سحر انگیز گفتگو فرماتے جو پانی اور آگ کو یکجا اور گویہ اور مچھلی کو ملادے، پھر وہ راضی ہو کر ہی آپ سے جدا ہوتا۔ شیخ محسن بن یحییٰ نے ”الینالیحی“ میں بیان کیا ہے کہ وہ کمال اور شہرت کی اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ آپ لوگوں کو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں دیکھیں گے کہ ان کی جانب اپنی نسبت پر فخر کرتے ہیں بلکہ ان کے لئے تلامذہ کے تلامذہ کی کڑی میں شامل ہونے پر بھی فخر کرتے ہیں۔

ان کی نمایاں خصوصیات جن میں ان کا کوئی اہل زمانہ ہمسر نہیں ”قدرت کلام“ ہے کسی سے مقابلہ نہیں کرتے مگر اپنے مقصد کو پالیتے، اپنے شکار کو حاصل کر لیتے اور اپنی بازی جیت جاتے، ان کے قدرتی کمالات میں سے عبارت کو اچھا بنانا اور اسے خوشنما بنادینا ہے حتیٰ کہ آپ کے ہم عصر ان میدانوں میں آپ کو پیشوا شمار کرتے۔ ان ہی میں سے آپ کی وہ فراست ہے جو اللہ نے آپ کو خواب کی تعبیر بتلانے پر قدرت دی، آپ تعبیر نہ دیتے مگر وہ ویسے ہی واقع ہو جاتی جیسی بتائی، گویا کہ آپ نے خود اس کو دیکھا اور یہ صرف پاکیزہ نفوس والوں کے لئے ہوتا ہے اور ان نفوس کے لئے جو خواہشات اور گندگی سے پاک ہوں، ان کے علاوہ بھی ان کی کتنی عمدہ خصلتیں ہیں، ان کی بابت حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فضل و کمال کی تمام اقسام آپ کے اندر جمع کر دی تھیں، جنہیں اس نے اپنی زمین

میں ان کے ہم عصروں کے درمیان بکھیر دی تھیں، ان کو شاعر دیکھنا جس نے یہ شعر کہا: ”میں نے آدمیوں جیسا تفاوت نہیں دیکھا بزرگی میں یہاں تک کہ ایک آدمی ایک ہزار آدمی کے برابر شمار کیا گیا تو اس پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اگرچہ اس نے اس میں اپنے خیال میں مبالغہ کیا ہے پھر بھی اس نے کوتاہی کی تو مجھ جیسے کے بارے میں کیسے خیال کیا جاسکتا ہے کہ میں ان کے مفاخر کو اچھی طرح شمار کر سکوں۔“

وہ دراز قد تھے، بدن ہلکا پھلکا تھا، رنگ گندمی تھا، آنکھیں بڑی بڑی تھیں، داڑھی گھنی تھی، وہ خط نسخ اور خط رقع نہایت عمدہ لکھتے تھے، نیز تیر اندازی، گھڑ سواری اور موسیقی میں مہارت حاصل تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی ساری تصنیفات علماء کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ ہیں، وہ ان کے حصول میں مسابقت کرتے ہیں اور آپ کی ترجیحات سے استدلال کرتے ہیں اور وہ اس کے لائق بھی ہیں۔

آپ کی عبارت میں ایسی قوت، فصاحت اور سلاست ہوتی ہے جس کے کان مشتاق ہوتے ہیں اور جس سے قلوب لذت حاصل کرتے ہیں۔ ان کی بات کا ذہن پر اثر ہوتا ہے اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ جس کو سمجھ ہو وہ ان کا گہرائی سے مطالعہ نہ کرے، پھر رسم و درایت پر باقی رہ جائے، جب وہ کمزور کلام دیکھتے تو شیریں کلامی سے اس کو ظاہر کرتے اور پاش پاش کر دیتے۔ آپ کی تصنیف میں سب سے زیادہ مشہور قرآن کریم کی تفسیر ہے، جس کا نام ”فتح العزیز“ ہے۔ آپ نے اس کو شدت مرض میں تصنیف کیا اور ضعف کی حالت میں املا کرایا۔ یہ کئی بڑی جلدوں میں ہے لیکن اس کا بڑا حصہ ہندوستان کے انقلاب میں ضائع ہو گیا اور ان میں سے شروع اور آخر کی صرف دو جلدیں ہی بچ سکیں۔ ان ہی میں سے مشکل مسائل کی بابت فتاویٰ اور ”تحفہ انشاء عشریہ“ ہے جو شیعہ مذہب پر ایک بے نظیر کتاب ہے۔ ایک تصنیف ”بستان المحمدین“ ہے اس میں حدیث کی کتابوں کی فہرست ہے اور محدثین کے حالات ہیں مگر یہ بھی مکمل نہیں ہے، آپ کی تصنیفات میں ”العجالة النافعة“ فارسی میں اصول حدیث کے سلسلے میں ایک رسالہ ہے، اس کے علاوہ بہت سے رسالے ہیں۔ منطق اور حکمت میں آپ کی تصنیفات میں حاشیہ علی (میر زاہد رسالہ) اور حاشیہ علی (میرزا ہد ملا جلال) اور حاشیہ علی میرزا ہد شرح المواقف اور حاشیہ علی (حاشیہ ملا کو سج) ہے جو غریب سے مشہور ہے اور صدر شیرازی کی شرح ہدایت الحکمت پر حاشیہ ہے، آپ کی ارجوزۃ الاصمعی کی ایک شرح بھی ہے، نیز علماء، ادباء کے نام سے مکتوبات ہیں اور اپنے والد کے قصیدہ اور قصیدہ ہمزہ پر عمدہ تخریس ہے۔ آپ نظم و نثر، قوت تحریر، کثرت املاء اور فصاحت تعبیر میں یکتا زے زمانہ تھے۔ آپ کا کلام فی البدیہ ہوتا، آپ فیاض طبیعت، صاحب قلم اور کشادہ دست تھے، آپ کی وفات ۷ شوال بروز اتوار بعد نماز فجر ۱۲۳۹ھ میں ہوئی، اس وقت آپ ۸۰ برس کے تھے، آپ کی قبر دہلی سے متصل (مہدیان) میں اپنے والد کی قبر کے برابر میں ہے۔



## جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا محمد ابو طلحہ اعظمی

استاذ حدیث جامعہ امام انور شاہ، دیوبند

### ماہانہ امتحان کا انعقاد

ابتدائی جماعتوں کے طلبہ کی استعداد مستحکم کرنے کے لئے جامعہ میں ششماہی اور سالانہ امتحانات کے علاوہ چار ماہانہ امتحانات بھی مقرر ہیں، جن سے طلبہ کی تیاریوں کا جائزہ لے کر ان کی صلاحیت سازی میں واضح مدد ملتی ہے۔ ۲۲ جمادی الاخریٰ کو چوتھا ماہانہ امتحان ہوا، جن میں اعدادیہ، عربی اوّل، عربی دوم اور عربی سوم کے طلبہ نے حصہ لیا۔ طلبہ کی کتابی تیاریوں کا جائزہ اساتذہ جامعہ نے ہی لیا اور مفید تاثرات سے نوازنے کے ساتھ طلبہ کے کمزور پہلوؤں کی نشان دہی کی۔ یہ تاثرات اور ضروری مشورے متعلق اساتذہ تک تحریراً پہنچا دیئے گئے ہیں۔

### سالانہ انعامی اجلاس و دستار بندی

بتاریخ ۲۲/مارچ ۲۰۱۸ء مطابق ۳/رجب المرجب ۱۴۳۹ھ جامعہ کے دارالحدیث میں سالانہ انعامی اجلاس کا انعقاد ہوا، جس کی صدارت حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری دامت برکاتہم جب کہ نظامت مولانا فضیل احمد ناصری صاحب نے کی۔ اجلاس کا آغاز عزیزم توقیر سلمہ متعلم درجہ اعدادیہ اور مولوی محمد مجیب بھوپالی کی تلاوت اور نعت پاک سے ہوا، پھر طلبہ نے اپنا پروگرام پیش کیا، جس میں دو تقریریں اردو، جب کہ ایک تقریر عربی زبان میں ہوئی۔ جامعہ کا ترانہ محمد مجیب بھوپالی اور محمد حسین مظفر نگری نے پیش کیا۔

جامعہ کے استاذ حدیث مولانا عبدالرشید صاحب نے کہا کہ اس اجلاس کا مقصد طلبہ کی حوصلہ افزائی ہے۔ اس سے ان کی ہمتیں پروان چڑھیں اور ذوق عمل بالیدگی پاتا ہے۔ آپ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے اسم گرامی سے منسوب ادارے میں زیر تعلیم ہیں، ان کی نسبت کا تقاضا ہے کہ تعلیم و کتب بینی میں ممتاز ترین مقام پائیں۔ علامہ کشمیریؒ کو کثرت مطالعہ اور استحضار علمی کی بنا پر چلتا پھرتا کتب خانہ کہا جاتا ہے۔ ہمارے اسلاف نے علم دین کی تحصیل میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا، انہیں قربانیوں نے انہیں دوام عطا فرمایا۔

محترم جناب مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب استاذ دارالعلوم وقف دیوبند نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ طلبہ سمع و طاعت کو اپنا شیوہ بنا کر اپنی منزل کی طرف پیہم رواں دواں رہیں۔ اساتذہ کرام کے بتائے ہوئے ملحوظات کو ہمیشہ پیش نظر رکھیں کیوں کہ وہ بڑی محنتوں اور تیاریوں کے بعد اسلام کی اصل تصویر آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ ان کا احترام بہر حال اور بہر طور ملحوظ رہے۔ یہ چیزیں استعداد سازی اور مستقبل گری میں موثر کردار ادا کرتی ہیں۔

معروف عالم دین حضرت مولانا ندیم الواجدی نے کہا کہ ہمارے مدارس کا امتیاز حسنِ ادب، اساتذہ کا احترام اور وسائلِ علم کی قدر دانی ہے۔ ہمارے مدارس کا رشتہ صفہ سے جڑا ہوا ہے، اسی کا اثر ہے کہ ہمارے اداروں میں یہ روایات آج بھی ملتی ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے صحابہ کرام کی تربیت اس انداز پر کی تھی کہ وہ اپنے بڑوں کے سامنے انتہائی ادب و تواضع سے پیش آتے تھے۔ ہمارے علمائے دیوبند میں بھی یہ روایت عروج پر رہی۔ حضرت تھانویؒ کے مواعظ میں جاہِ جااس کی تلقین موجود ہے۔

جامعہ کے استاذ حدیث محترم جناب مولانا وحی احمد بستوی صاحب نے کہا کہ علم دین کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس کے حاملین کے لئے مغفرت کا اعلان ہے۔ علم دین بجائے خود ذکر ہے۔ چنانچہ قرآن میں اسے ذکر اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ احادیث بھی اس پر ناطق ہیں، لہذا اسے عبادت ہی کی ایک شاخ سمجھنی چاہئے۔ جامعہ کے نائب ناظم تعلیمات و استاذ حدیث اور عالمی شہرت یافتہ ادیب و شاعر مولانا فضیل احمد ناصری نے اس موقع پر تعلیمات کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ سال گزشتہ ۳۷ طلبہ نے جامعہ میں داخلہ لیا، جنہوں نے اپنا تعلیمی سفر بہتر انداز میں جاری رکھا، دولاکھ روپے کی کتابیں طلبہ کو انعام میں دی گئیں، ہر جماعت کے تین سرپرست طلبہ کو خصوصی انعام و اکرام اور نقد روپے سے نوازا گیا۔ عام طلبہ کو بھی جمعی انعام دیا گیا۔ اس موقع پر سال گذشتہ کے فضلاء جامعہ کی دستار بندی بھی عمل میں آئی۔ روپے کی شکل میں نقد انعامات حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ اور جامعہ کے استاذ مولانا سعدان جامی صاحب کی طرف سے دیئے گئے۔ اول پوزیشن والوں کو ایک ہزار، دوم والوں کو چھ سو، جب کہ سوم والوں کو چار سو روپے نقد دیئے گئے۔

صدر اجلاس مولانا سید احمد خضر شاہ صاحب مدظلہ نے اخیر میں ان تمام تاجرانِ کتب دیوبند و اساتذہ کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اجلاس کی کامیابی میں بھرپور حصہ لیا۔ ان مہمان کرام کا بھی جنہوں نے اپنا قیمتی وقت جامعہ کو دیا۔ جامعہ کے استاذ حدیث مولانا شفیث احمد صاحب کی دعا پر اجلاس مکمل ہوا۔

## طلبہ کے لئے تربیتی نشست

طلبہ کو تعلیم کی طرف راغب کرنے اور انہیں مہم جوئی سے منہمک کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً تربیتی نشستیں بھی

منعقد ہوتی رہتی ہیں جن سے مدعو اساتذہ خطاب کرتے ہیں۔

ایسی ہی ایک مجلس گذشتہ ماہ منعقد ہوئی، جس سے جامعہ کے استاذ حدیث حضرت مولانا عبدالرشید صاحب دام ظلہم نے خطاب کیا۔ مولانا نے اپنے طویل تدریسی تجربات کی روشنی میں طلبہ سے کہا کہ علم میں پختگی مطالعہ اور مباحثہ سے آتی ہے۔ عربی کا مقولہ ہے: اذا تكرر تفقر في القلب یعنی جب ایک ہی بات بار بار کان میں پڑتی ہے تو دل میں پیوست ہو جاتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج طلبہ میں جستجو کا فقدان ہے، یہی وجہ ہے کہ اساتذہ کی ہر رطب و یابس بات بے آسانی ہضم کر جاتے ہیں، ان میں بحث و مباحثہ کا جذبہ بالکل نہیں پایا جاتا۔ یہ رجحان خطرناک ہے۔ یاد رکھئے کہ وہی طلبہ صاحب استعداد اور پختہ علم ہوتے ہیں جن میں مطالعہ، مذاکرے اور مباحثہ کی عادت ہوتی ہے۔

جامعہ کے ایک اور استاذ حدیث مولانا مفتی ثار خالد صاحب دام مجدہم نے کہا کہ آپ لوگ ذوق و شوق پیدا کریں، اسباق کو سمجھ کر پڑھنے کی عادت ڈالیں، آپ سے والدین کے ساتھ معاشرے کو بھی بڑی امیدیں ہیں، آپ تنہا نہیں ہیں، آپ کے دوش پر بے شمار انسانوں کے ارمانوں کا بوجھ ہے، آپ اچھی طرح پڑھیں گے اور جفا کشی کو اپنا شعار بنائیں گے تو سب کے ارمان پورے ہوں گے، دنیا آپ کو طالبا نہ نگاہوں سے دیکھ رہی ہے، آپ اتنی محنت کریں کہ دنیا رشک کرے۔

عربی کا مقولہ ہے: العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك یعنی علم ایسی انمول اور غیور دولت ہے کہ جب تک اس کی طلب میں خود کو جھونک نہ دیا جائے یہ اپنا معمولی حصہ بھی آپ کو نہیں دے گی۔ محترم جناب مولانا ابو طلحہ اعظمی صاحب زید مجدہم کی پرسوز دعا پر نشست اختتام پذیر ہوئی۔

### دارالحدیث کی تعمیر پایہ تکمیل کو پہنچ گئی

جامعہ ہذا کی عظیم الشان عمارت جسے انور ہال کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، الحمد للہ پوری طرح پایہ تکمیل کو پہنچ گئی ہے۔ عقی جسے کے روغن کے بعد دونوں گنبدوں کی تزئین و آرائش کا کام بھی خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہو گیا۔ یہ عمارت اب اپنی کامل و مکمل شکل میں کھڑی ہے۔ حسن و جمال میں معیاری اور جدید طرز تعمیر کا نمونہ ہے۔ اس دارالحدیث میں دو وسیع ہال ہیں جن میں ہر ہال میں بیک وقت ڈیڑھ ہزار سے زائد طلبہ کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ ان کے علاوہ ۲۰ کمرے بھی ہیں جن میں سے زیادہ تر درس گاہیں ہیں اور بقیہ دفاتر کے لئے ہیں۔ یہ دارالحدیث امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی طرف منسوب ہے۔ اس کا ڈھانچہ فخر الحدیث حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیریؒ کے عہد مسعود میں ہی تیار ہو گیا تھا، اس کی تکمیل کے بعد ”رواق انظر“ کی تعمیر شروع ہوگی، ان شاء اللہ

## سالانہ امتحان کی تیاریاں شباب پر

سالانہ امتحان آنے میں اب بہت کم وقت رہ گیا ہے، طلبہ یوں تو سال بھر ہی کتابوں کے فہم میں خود کو مصروف رکھتے ہیں مگر سالانہ امتحان کی اہمیت اور دباؤ ان کی توجہات کو کچھ زیادہ ہی کھینچ لیتا ہے۔ طلبہ کی علمی مصروفیات پہلے سے بڑھ جاتی ہیں۔

جامعہ کے طلبہ بھی سالانہ امتحان کی تیاریوں میں ہمتن منہمک ہو گئے ہیں۔ مطالعہ، مذاکرہ اور آموختہ خوانی کا دور عروج پر ہے۔ طلبہ کے عروج و زوال کا سارا دار و مدار اسی امتحان پر ہے۔ جامعہ میں دو کتابوں میں ناکام طلبہ کا سال اعادہ ہو جاتا ہے، جب کہ ایک کتاب میں ناکامی کی صورت میں ضمنی امتحان کی کامیابی یا ناکامی پر ترقی و تنزلی کا انحصار ہوتا ہے۔ جامعہ کے بڑے امتحانات دارالعلوم اور وقف دارالعلوم سمیت اطراف کے نمایاں مدرسین لیتے ہیں، جن کے ہمہ جہت جائزے سے تعلیمی معیار کو بلند تر کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

مجلس تعلیمی کے فیصلے کے مطابق سالانہ امتحان کے لئے مولانا صغیر احمد صاحب پرتاپ گڑھی دام مجدہم کو ناظم، جب کہ محترم مولانا ابوظحہ اعظمی زید مجدہم کو نائب ناظم نامزد کیا گیا ہے۔ امتحان ۶ شعبان المکرم سے شروع ہو کر ۱۷ شعبان تک جاری رہے گا۔ ۱۸ شعبان سے ۱۰ اشوال المکرم تک تعطیل رہے گی۔ ۱۱ اشوال سے سے جامعہ کی تعلیمی سرگرمیاں شروع ہو جائیں گی۔

## انجمن کواکب انور کا سالانہ اجلاس

طلبہ جامعہ کی مشقی بزم ”انجمن کواکب انور“ کا سالانہ اجلاس عام یکم اپریل کو منعقد ہوا، جس کی صدارت دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی جب کہ سرپرستی حضرت رئیس الجامعہ دام ظلہم نے فرمائی۔ اس موقع پر طلبہ نے سال بھر کی تیاریوں کی ایک جھلک پیش کی۔ باہر سے تشریف لائے ہوئے مہمان کرام نے ان کی کاوشوں کو خوب سراہا۔

صدر اجلاس حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی نے کہا کہ اس طرح کی انجمنوں کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے۔ یہ انجمنیں صلاحیت سازی کی انمول درسگاہیں ہیں۔ مولانا نے مزید کہا کہ معاشرے میں آپ کی اہمیت کتنی ہے اس کا اندازہ شاید آپ کو بھی نہیں ہے۔ درسگاہوں میں پابندی اسباق کے ساتھ ان انجمنوں میں بھی آپ کی کارکردگی شاندار رہی تو آنے والا وقت آپ کا ہے۔ معاشرہ آپ کو سر پر بٹھائے گا۔ یاد رکھئے علم بغیر علم کے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ آپ علم کے ساتھ عمل سے بھی اپنا رابطہ استوار رکھئے۔

حضرت مولانا ندیم الواجدی صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ اسلام میں خطابت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام سے لے کر آج تک اس فن سے دین کی اشاعت کا متواتر کام لیا جا رہا ہے۔ ماضی کے مشہور خطباء مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ، مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اس فن سے کام لیتے ہوئے عظیم الشان کارنامے انجام دیئے۔ ان کی پرمغز خطابت نے دنیا کے کفر و ضلالت کو تہہ وبالا کر دیا تھا۔

رابطہ عالم اسلامی عربی کے رکن و دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ القراء مولانا قاری ابوالحسن اعظمی صاحب نے اپنی تقریر میں عربی زبان و ادب پر زور دیتے ہوئے کہا ہمارے یہاں عربی زبان بس سرسری پڑھادی جاتی ہے۔ انشاء پر دازی اور تکلم کی مناسب مشق نہیں کرائی جاتی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ سالوں پڑھنے کے باوجود اس زبان سے تقریباً نا آشنا ہی رہتے ہیں۔ یہ تشویشناک بات ہے۔

سرپرست اجلاس حضرت رئیس الجامعہ مدظلہ نے فرمایا کہ اسلام کی ترسیل و ابلاغ کے اہم ذرائع میں سے خطابت بھی ہے۔ تمام انبیاء نے اسی وسیلے کا استعمال کر کے تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا فریضہ بخوبی انجام دیا ہے۔ ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ خود زبردست خطیب تھے۔ آپ کی شاندار اور تاریخ ساز خطابت کے نمونے احادیث میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ عوام کو اپنی بات سمجھانے کا سب سے مؤثر اور آسان ذریعہ خطابت ہی ہے۔

اجلاس میں عربی، اردو اور فارسی کے علاوہ انگریزی میں بھی تقریریں ہوئیں۔ اس موقع پر طلبہ کا محادثاتی پروگرام بہ عنوان ”گوشت خوری اور اسلام“ بھی ہوا، جسے حاضرین نے تحسین سے نوازا۔

پروگرام میں طلبہ کے مابین مسابقتی خطابت کا انعقاد احقر کی حکمیت میں ہوا، جس میں عزیزانِ گرامی ارمان نہال جھارکھنڈ، افروز عالم کشن گنج اور عبدالماجد دہلوی نے بالترتیب اول، دوم، سوم پوزیشن حاصل کی۔ ان طلبہ کو گرامی قدر انعامات سے بھی نوازا گیا۔ محادثہ پیش کرنے والے طلبہ کی بھی انعامات سے حوصلہ افزائی کی گئی۔ پروگرام کی نظامت ادارہ کے استاذ مولانا عبیدانور شاہ صاحب اور عربی چہارم کے طالب علم مستفیض اختر دیناج پوری نے مشترکہ طور پر کی۔ انجمن کے نگران اعلیٰ محترم مولانا صغیر احمد صاحب زید مجدہم استاذ حدیث جامعہ ہندانے اس موقع پر سالانہ رپورٹ پیش کی۔

### دارالعلوم انور یہ نونا بڑی کے اجلاس میں اساتذہ جامعہ کی شرکت

دیوبند کے قریب واقع نونا بڑی میں واقع دارالعلوم انور یہ کے سالانہ اجلاس میں اساتذہ جامعہ نے شرکت کی۔ یہ ادارہ فخرالحمد شین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیریؒ کا قائم کردہ ہے۔ آپ تاعمر اس کے سرپرست بھی

رہے۔ اب اس کی سرپرستی رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری زید مجدہم فرماتے ہیں۔ محترم مولانا صغیر احمد صاحب، محترم مولانا مفتی ثار خالد صاحب اور محترم مولانا فضیل احمد ناصری نے اس اجلاس سے خطاب کیا۔ مولانا نے اپنی تقریر میں اسوہ حسنہ پر زور دیا اور کہا کہ مسلمانوں کے لئے ایک بہترین اور کامل و مکمل نمونہ پیغمبر علیہ السلام کی ہستی ہے۔ ہماری کامیابی کا سارا راز ان ہی کی اتباع کامل میں مضمر ہے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ انہوں نے عبادات کو نماز، روزہ اور زکوٰۃ و حج میں محصور سمجھ لیا ہے، حالانکہ پوری زندگی کے اعمال عبادات ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ افسوس تو اس کا ہے کہ ان چند عبادات میں بھی ہماری حیثیت تقریباً صفر ہے۔ ہماری تباہی کی سب سے بڑی بنیاد یہی ہے۔

محترم مولانا مفتی ثار خالد صاحب نے تواضع پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ انسان مٹی سے بنا ہے، مٹی کی خاصیت بردباری اور خموشی ہے۔ مٹی کے ساتھ انسان کوئی بھی عمل کرے، یہ ردِ عمل نہیں دیتی۔ لہذا آدمی کو بھی تواضع اور خاکساری کی طبیعت اپنانی چاہئے۔ کبر، تعلیٰ اور خود سری ہمارے لئے تباہ کن ہے۔ بڑائی صرف اللہ عز و جل کو زیب دیتی ہے۔ فرعون اور نمرود جیسے سرکشوں کو اسی تکبر نے برباد کیا۔ شیطان کو اسی خود سری نے راندہ درگاہ کیا۔ مسلمانوں کا نیک اعمال سے دور ہونا اور اطاعتِ رسول سے انحراف بھی کبر اور گردن کشی ہے۔ اس سے پرہیز از حد ضروری ہے۔

محترم مولانا صغیر احمد صاحب نے کہا کہ آج ہماری حیثیت دو کوڑی کی بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی حیثیت کو نہیں پہچانا اور ان لوگوں کی راہ چل پڑے جن پر غضب نازل ہوا اور جو گمراہی کے عمیق غار میں جا پڑے۔ ان ہی کی دعا پر اجلاس اختتام پذیر ہوا۔

### مدرسہ ناشر العلوم پانڈولی میں استاذ حدیث جامعہ کی تقریر

جامعہ ناشر العلوم پانڈولی سہارنپور کے سالانہ اجلاس میں حضرت مولانا فضیل احمد ناصری صاحب نے والدین کی ذمہ داریوں پر مفصل تقریر کی اور انہیں غفلتوں سے دور رہنے کی تلقین کی۔ مولانا نے کہا کہ ہماری سستی کے باعث نئی نسل بگڑ رہی ہے اور ہمارے قابو سے باہر ہوتی جا رہی ہے، یہ بے حد تشویش ناک ہے۔ افسوس تو اس کا ہے کہ بچوں کا یہ بگاڑ والدین کو برا نہیں لگتا، بلکہ حوصلہ افزائی بھی کرتے ہیں۔ اگر والدین اپنی ذمہ داریوں سے اچھی طرح عہدہ برآ نہیں ہوں گے تو ان کی اولاد میں دینی رجحان کس طرح پیدا ہوگا؟ مولانا نے بچوں کی دینی تعلیم سے ناآشنائی پر بھی حیرت کا اظہار کیا اور والدین کو اس کی طرف متوجہ کرنے کی تلقین کی۔

اس موقع پر جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد ابراہیم قاسمی مدظلہم سے تفصیلی ملاقات بھی رہی، جس میں انہوں

نے فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ سے اپنی وابستگی اور ان کی بارگاہ میں اپنی باریابی کو بہت ہی فخر و مسرت کے ساتھ بیان کیا۔ مولانا قاسمی بہار کے پورنیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جامعہ ناشر العلوم پانڈولی کی باگ ڈور اپنے استاذ گرامی حضرت شاہ صاحبؒ کے ایماء پر ۲۵ برسوں سے سنبھال رہے ہیں، اٹال اللہ بقاء۔

### واردین و صادرین

یوں تو آئے دن ہی جامعہ میں مہمانوں کی آمد کا سلسلہ لگا رہتا ہے، تاہم پچھلے دنوں چند اہم مہمانوں نے جامعہ کی زیارت کر کے اپنی مسرتوں کا اظہار کیا۔

ممبئی سے تشریف لانے والے مہمان گرامی حضرت مولانا محمود ریادی مدظلہ جامعہ کا معائنہ کر کے بہت خوش ہوئے۔ مولانا فضیل احمد ناصری صاحب نے جامعہ کا تفصیلی تعارف کرایا۔ موصوف آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ممتاز رکن اور آل انڈیا علماء کونسل کے جنرل سکریٹری ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے تلمذ رکھتے ہیں اور اپنی گفتگو میں انہیں یاد کرنا نہیں بھولتے۔

لندن سے مولانا نعمان صاحب داعی تشریف لائے۔ انہوں نے شاہ صاحبؒ سے اپنی عقیدت و محبت کا بھرپور تذکرہ کیا۔ مولانا ناصری صاحب نے جامعہ کا مفصل تعارف کرایا۔ جامعہ کے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کا بھی انہوں نے بغور مطالعہ کیا۔ جامعہ کی درس گاہوں اور دفاتر کا بھی انہوں نے جائزہ لیا۔ بہت خوش ہوئے اور حضرت رئیس الجامعہ دام ظلہم کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔

گودھرا، گجرات کے علماء و زعماء کا ایک موقر وفد حضرت مولانا سہیل صاحب بڈھا کی قیادت میں جامعہ میں تشریف فرما ہوا اور جامعہ سے متعلق بھرپور تفصیلات سے آگاہی حاصل کی اور اپنے اطمینان و بے پایاں مسرتوں کا اظہار بھی فرمایا، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔



## نقد و نظر

مبصر: فضیل احمد ناصری

نام کتاب / رسالہ : دو ماہی ”نقوش طیبات“

صفحات : ۲۰۸

قیمت ۲۵۰ روپے

ڈاکٹر علی ملپتا صاحب ابھی چند ماہ پیشتر ستمبر ۲۰۱۷ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ وہ جنوبی ہند کی عظیم شخصیت تھے، طویل ترین عمر پائی، عربی تاریخ کے لحاظ سے انہوں نے اپنی حیات کے کم و بیش سو سال پورے کئے۔ سن عیسوی کے اعتبار سے انہیں ۹۷ برس ملے۔ وہ عصری تعلیم یافتہ تھے، پیشے سے ہو میو پیٹھک ڈاکٹر، دستِ شفا سے سرفراز۔ صوبہ کرناٹک کے بھٹکل علاقے میں ”جامعہ اسلامیہ“ کے نام سے ایک عظیم ادارہ قائم کیا، یہ ادارہ جنوبی ہند کا ”ندوۃ العلماء“ کہا جاتا ہے۔ ۱۹۶۲ء سے مسلسل مصروفِ عمل۔ مرحوم اس ادارے سے تاقیامت وابستہ رہے۔ ناظم، پھر نائب ناظم اور اخیر میں بطور صدارت ان کی لگاتار جدوجہد نے اسے شہرت کے ثریا پر پہنچا دیا۔

مرحوم علی ملپتا صاحب اسلام پسند اور علم دوست تھے، علمائے امت کے بڑے معتقد اور قدرداں۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ اور حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ سے قریبی تعلقات رہے۔ اپنے دور کے عظیم نثر نگار مولانا عبد الماجد دریا بادیؒ سے بھی بڑے والہانہ مراسم۔ اہم امور میں انہیں سے مشورے لیتے، قابلِ رشک طبیعت پائی تھی، بڑے بافیض تھے۔ تصوف میں تھانوی سلسلے سے وابستہ۔ مولانا عیسیٰ الہ آبادیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ، شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ اور شاہ ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ سے اصلاحی تعلق قائم رکھا۔ ان سبھوں کو حضرت تھانویؒ سے خلافت حاصل رہی ہے۔ ڈاکٹر ملپتا صاحبؒ نے بھی مولانا عبدالباری ندویؒ اور حضرت شاہ ابرار الحق ہردوئیؒ کی دوکانِ معرفت سے اجازت و خلافت حاصل کی۔

مرحوم کی طویل اور تاریخی خدمات ہیں، جنہیں ”دو ماہی نقوش طیبات“ اپنے صفحات میں پیش کر رہا ہے۔ یہ رسالہ معہد امام حسن البنا شہید سے جاری ہوتا ہے جو خواتین اسلام کا ترجمان ہے۔ اس شمارے میں ڈاکٹر صاحب کی طویل زندگی، ان کی مثالی جدوجہد، تاریخی مفاخر اور ان کے روشن و تابناک کارناموں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ مضمون نگاروں میں فضلاء ندوہ کی اکثریت ہے، جنہوں نے مرحوم کی حیاتِ مستعار کے مختلف گوشوں کو خوب اجاگر



کیا ہے۔ مضامین پڑھ کر جہاں ڈاکٹر صاحب کی جلیل خدمات کا اندازہ ہوتا ہے وہیں ان کی نیک سیرتی کے نقوش بھی خوب نمایاں ہوتے ہیں۔ اللہ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور جامعہ اسلامیہ کو نعم البدل عطا فرمائے۔  
رسالہ کی ترتیب بڑی شان دار ہے، طباعت بھی اعلیٰ درجے کی ہے، البتہ تصحیح کی کمی جاہ کھٹکتی ہے، نیز اشتہارات میں جان دار کی تصویروں کی شمولیت ایک دینی رسالے میں اچھی نہیں لگی۔

مرحوم کے معتقدین اور متوسلین کے لئے یقیناً ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ عام علم دوست بھی اس سے فائدے اٹھا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی حیات و خدمات کے ذیل میں بھٹکل، اس کا ماضی، سیاسی صورت حال اور دیگر تاریخی و تہذیبی معلومات جاہ مطالعے میں آئیں۔ رسالے کے مرتب لائق صد ستائش ہیں کہ انہوں نے ملت کے اس عظیم محسن کو فراموش نہیں کیا اور انہیں خراج عقیدت پیش کر کے نسل نو کے لئے ایک گراں قدر سوغات تیار کر دی۔ اس اشاعت پر ادارہ محدث عصر تہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہے۔



### حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ

روایت ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ منصور عباسی نے حضرت عبدالرحمن سے کہا کہ مجھے آپ کچھ نصیحتیں فرمائیں تو آپ نے فرمایا کہ عمر بن عبدالعزیز نے بوقت وفات گیارہ لڑکے چھوڑے اور ترکہ میں سترہ دینار، جن میں سے پانچ دینار کا کپڑا کفن کے لئے خریدا گیا اور دو دینار سے قبر کے لئے زمین خریدی گئی اور جو دینار باقی بچے وہ لڑکوں میں تقسیم کر دیئے گئے۔ پھر ایک لڑکے کے حصے میں انیس درہم آئے، جب ہشام بن عبدالملک کا انتقال ہوا تو اس نے بھی گیارہ ہی لڑکے چھوڑے اور ہر لڑکے کو باپ کے ترکہ میں سے دس دس لاکھ درہم ملے۔ میں نے اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اولاد میں سے ایک کو دیکھا کہ اس نے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے سو گھوڑے بھیجے جب کہ ہشام کی اولاد میں سے ایک کو بھیک مانگتے ہوئے دیکھا۔

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ کوئی تعجب خیز نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کافی ہو گئے اور ان کو غنی کر دیا اور ہشام نے اس کے برخلاف اپنے بیٹوں کو دنیا کے سپرد کر دیا تھا، لہذا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فقیر بنا دیا۔

## Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband

Register from Registrar of Newspapers for India U.P. URD.2000/R.N.10663

Contact: (Off) 01336-220471, Mob. +91 8006075484

Email: ahmadanzarshah@gmail.com

Printed & Published by Syed Ahmad Khizar Shah,  
Mohtamim of behalf of JIMAS, Behind Eidgah, DBD  
and Printed at Mukhtar Press, Samreen Printers, Deoband



انور ہال



مسجد انور شاہ کا دیدہ زیب نظارہ



دارالحدیث (انور ہال) سے باب معظم شاہ تک تو تعمیر شدہ سڑک



مسجد انور شاہ کے برآمدے کا منظر



دارالاقامہ کا اندرونی منظر



دفتر تعلیمات و دفتر اہتمام کا برآمدہ



جامعہ کا مطبخ



کتب خانہ

**Jamia Imam Mohammad Anwar Shah**

A/c No. 520101265117956

Corporation Bank Deoband, IFSC Code: CORP0000786